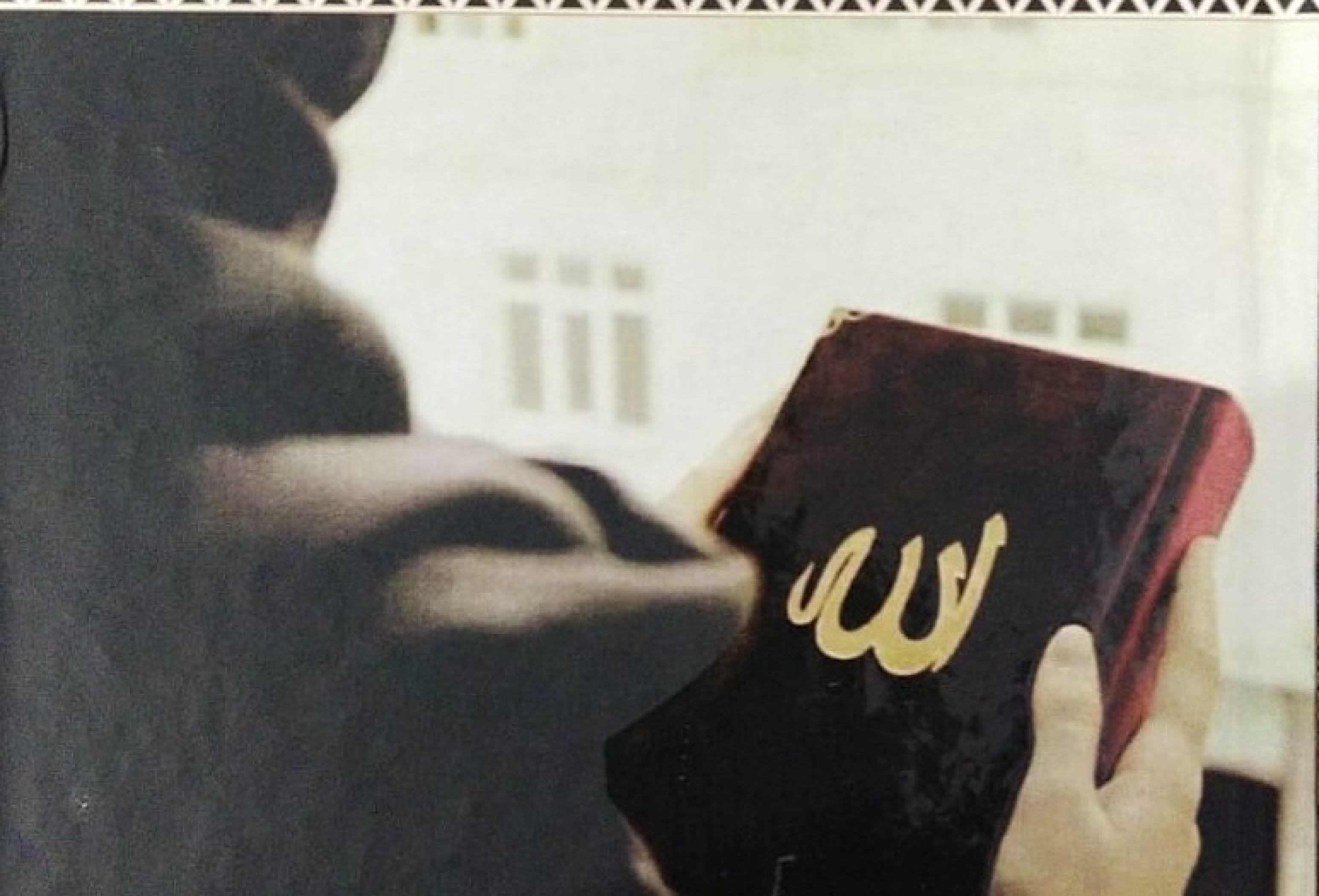
میرا صاحب سائیں
عشق ہے تُو



ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

Razi\Mera Sahib Sai Ishaq ha tu\Bismillah Final.jpg not found.

Ishaq ha tu\Fb.jpg not found.

اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

میرا صاحب، سائیں، عشق ہے تو

نجمہ شاہین کھوسہ

ضابطہ

نام کتاب	میرا صاحب، سائیں، عشق ہے تو
شاعرہ	نجمہ شاہین کھوسہ
تاریخ اشاعت	یکم جنوری 2022
ناشر	عبدالحنان
پرنٹر	ناصر ظہیر (0300-6362756)
ٹائٹل	ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ
قیمت	1000 روپے
کتاب منگوانے کے لیے رابطہ	0300-6359941 0318-6780423
بذریعہ ڈاک خط و کتابت	73۔اے، جلیل آباد کالونی۔ملتان
	جان سرجیکل ہسپتال بلاک 48 ڈیرہ غازیخان
	0333-2401818

انتساب

صرف اور صرف اسکے نام جس کے نام میں ہی شاعری ہے، زندگی ہے۔ عشق ہے اور جس کی صفت ہی بھٹکتے مسافروں کو پناہ دینا، اور اپنی رحمت کے سائے میں ڈھانپ لینا ہے،، کہ وہی تو رحمٰن و رحیم ہے۔

مجھ کو مرے وجود میں بس تو ہی تو ملا
ایسے تری مہک سے سنواری گئی ہوں میں

ترتیب سخن

غزلیں، نظمیں

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کی شاعری میں سرائیکی آہنگ کی بازیافت

ڈاکٹر محمد امین

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ گائنا کالوجسٹ ہیں ،متحرک اورفعال زندگی گزاررہی ہیں۔کئی انجمنوں کی رکن اورعہدیدار ہیں۔عرصے سے مشق سخن جاری ہے۔تازہ مجموعہ ''میرا صاحب سائیں عشق ہے تو'' ایک خاص آہنگ اوراحساس کی ترجمانی کرتا ہے،عشق جس کا مرکزی موضوع ہے،عورت سراپا محبت ہے،ہرروپ میں اس کی محبت ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔زیرنظر مجموعے کو ہم تفہیم کی سہولت کے لئے موضوعاتی اوراحساساتی طور پردوحصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں عشق کی وارفتگی ،والہانہ پن اورخودسپردگی ان حصوں کو مربوط کرتی ہے۔نجمہ شاہین کے یہاں خواجہ فرید سائیں کااثر بھی حاوی نظرآتا ہے۔اس مجموعے کے عنوان سے بھی یہی آشکار ہوتا ہے۔

میں آس تھی میں تو پیاس تھی ،کسی پھول کی میں بھی باس تھی
مری پتیاں گریں جابجا ، انہیں شاخ پرتوسجا پیا

یہ جومیرے من میں ہے روشنی یہی زندگی یہی بندگی
مری فکر میں ترے ذکرمیں جوچراغ ہیں وہ جلاپیا

مرے آسمان مرے سائبان توہی رازدان توہی مہربان
جہاں لامکاں کے ہیں سلسلے وہیں میرا گھربھی بناپیا

ریزہ ریزہ ٹوٹ رہی ہوں اب تومجھ کو جوڑدے سائیاں
رجن اورغم کا یہ کاسہ اب اپنے کرم سے توڑدے سائیاں

ادھ ادھوری ذات ہے میری بے تاثیرسی بات ہے میری
سن شاہین کی بپتا اب تومت اس کادل توڑوے سائیاں

یہاں ان کے آہنگ پرسرائیکی کا گہرااثر نمایاں ہے،عورت ثقافت اورکلچر کی محافظ ہےاوروہی دوسری نسل تک منتقل بھی کرتی ہے۔

ایک غزل میں عورت کتھا کے تاریخی مناظر بیان کئے گئے ہیں

وہی سسی وہی سوہنی وہی دریاوہی صحرا
کہ ہرکردارمیں پھر سے ہی دہرائی گئی ہوں میں

کہیں زہریلے سانپوں نے مسلسل ہی ڈسامجھ کو
کسی محلوں کی دیواروں میں چنوائی گئی ہوں میں

میں ایسی کونج ہوں جوڈار سے بچھڑی ہوئی ہے اب
خدایات تیری دنیا میں یوں الجھائی گئی ہوں میں

ماں کی محبت سے لے کردھرتی کی محبت تک کا یہ سفرکئی مراحل سے گزرتا ہے۔ایک جذبات واحساسات کی نئی دنیا سامنے آتی ہے۔نجمہ کے بچپن میں اس کی ماں جس لے میں قرآن کی تلاوت کرتی تھی وہ لے اس کے لاشعور کا حصہ بن گئی ہے۔میرے خیال میں نجمہ شاہین کا یہ مجموعہ اس لے کی تلاش کی کوشش ہے۔اس لئے اس مجموعے کا اسلوب اورطرز احساس ذرامختلف سا ہے۔سرائیکی آہنگ کی بازیافت نے نجمہ شاہین کی اس شاعری کو الگ پہچان دی ہے۔

ہمہ جہت شخصیت: ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

پروفیسر خواجہ اکرام الدین
ہندستانی زبانوں کا مرکز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

اردو زبان و ادب کے ارتقا اور تاریخی تسلسل کو دیکھیں تو کئی دلچسپ حقیقتیں سامنے آتی ہیں۔ اس زبان کو پروان چڑھانے اور اس کو عروج بخشنے والوں میں اکثر نام ایسے ہیں جن کا تعلق براہ راست اردو زبان کی تدریس سے نہیں رہا ہے اور نہ وہ پیشہ ورانہ طور پر براہ راست اس زبان و ادب سے منسلک رہے لیکن ان کے کارہائے نمایاں ایسے ہیں جو زبان کی ارتقائی تاریخ میں یا تخلیقی تاریخ و تسلسل میں ہمیشہ احترام اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اہل زبان ایسے اسمائے گرامی سے بخوبی واقف ہیں۔ نجمہ شاہین کا نام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ پیشے کے لحاظ سے وہ ایک طبیبہ ہیں اور اپنے پیشے میں مہارت کی وجہ سے شہرت کی حامل بھی ہیں۔ ان کی شخصیت کا خوش آئند پہلو اردو زبان و ادب سے ان کی خاص دلچسپی ہے۔ شعری تخلیق کیا وصف وہ دیگر اَصناف میں بھی طبع آزمائی کرتی ہیں لیکن شاعری کی جوالانگاہ ان کا خاص میدان ہے۔ اردو کے بعض ایسے الفاظ ہیں جن کا اطلاق ہر شخصیت پر بخوبی نہیں ہوتا، ان میں ایک لفظ ''ہمہ جہت شخصیت'' کا بھی ہے۔ نجمہ شاہین پر اس لفظ کا بخوبی اطلاق ہوتا ہے۔ انتہائی نفیس اور منکسر المزاج، ملنسار اور خدمت خلق کے جذبے سے بھرپور، ادبی ذوق اور شعور ان کی شخصیت کا خاصہ ہیں۔ اکثر سوچتا ہوں کہ وہ اپنے پیشے میں اس قدر مصروف رہتی ہیں پھر تخلیق کے لیے کیسے وقت نکال پاتی ہیں کیونکہ تخلیق کے لیے یکسوئی درکار ہوتی

ہے۔ نجمہ شاہین مسلسل لکھتی رہی ہیں اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے اس حوالے سے میرا ہمیشہ تجسس رہا ہے اسی لیے ان کی تحریروں سے ان کے تخلیقی تجربے کو جاننے کی کوشش کی تو اس سلسلے میں خود ان کی تحریر نے رہنمائی کی۔ ''اور شام ٹھہر گئی'' کے پیش لفظ میں وہ لکھتی ہیں:

"پھول سے بچھڑی خوشبو' اور ''میں آنکھیں بند رکھتی ہوں'' کے بعد سوچا تھا کہ شاید سفر کٹ گیا۔ مگر یہ دکھ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ تنہائیوں، محرومیوں، محبتوں اور جدائیوں کے دکھ، کہیں انت ہی نہیں ٹھہرتا ان کا۔

کبھی گھٹن بن کر دل کو مٹھی میں کر لیتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ جیسے انت ہو گیا اور کبھی دور پرے کھڑے مسکراتے اُسی گھٹن کو کم کرتے ہیں، روشنی بنتے ہیں اور اپنی ذات کی تلاش پھر سے شروع ہو جاتی ہے۔ اِک چاک مل جاتا ہے جس پر ہم گھومتے ہیں اور اِک محور مل جاتا ہے جو ہمیں اپنے گرد دائرہ در دائرہ گھماتا ہے۔ ہم اپنی جستجو میں ہوتے ہیں مگر بھلا دائرے میں بھی کوئی جستجو مکمل ہوئی؟ دائرہ بن کے گھومنا تو بس گھومنا ہے جب رُک گئے تو دائرے میں گھومنے والا ہر ذرہ صرف اپنی جگہ سمٹ کر رُک جائے گا وہ اُس خلا کو پُر نہیں کر سکے گا جو اُسے ذات کے اندر قطار در قطار کھڑے دُکھوں، گرد بنتی ہواؤں اور پس منظر میں سمٹتی، جدائیاں بانٹتی رفاقتوں نے عطا کیا۔''

ذات کی تلاش میں خود کو سرگرداں رکھنا تخلیقی عمل کا وہ سوتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ نجمہ شاہین کی تخلیق کا یہ بنیادی محور ہے اور اسی محور کے گرد کائنات کی رنگا رنگی کو سمجھنے کی کوشش کا نام نجمہ کی شاعری ہے۔ اس اقتباس میں اپنے تخلیقی محرکات کے لیے جس طرح کا نثری بیانیہ اختیار کیا ہے وہ بھی شاعری کے طرح تہہ دار جملے ہیں۔ ''اِک چاک مل جاتا ہے جس پر ہم گھومتے ہیں اور اِک محور مل جاتا ہے جو ہمیں اپنے گرد دائرہ در دائرہ گھماتا ہے۔'' یہ کوئی معمولی جملہ نہیں ہے بلکہ اس جملے میں چاک اور محور کی مدد سے نجمہ نے حیات و کائنات یا گردش ایام کی بات بہت ہی خوبصورتی سے کی ہے۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں

ہوتی ان کا ذہن مسلسل چاک کی طرح گھومتا رہتا ہے اور ہر دائرے میں گردش کرنے والی شئی کو وہ سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ موضوعات و مسائل اور رازہائے سربستہ کو سمجھنے یا اسے شاعری میں پیش کر سکنے کا بھی انھیں خیال آتا ہے تو وہ لکھتی ہیں:

"مگر کیا شاعری سب بولتی ہے۔ کیا شاعری وہ سب کہہ سکتی ہے جو کہا جانا چاہیے؟ اِن سنگلاخ درد کے پہاڑوں سے گزرتی، اپنی ناتواں جاں پر تند و تیز ہواؤں کے طوفان برداشت کرتی، کرب کی اِن مسلسل راتوں کی کہانی، بے یقنی اور مایوسی کی دُھول سے اٹی ہوئی بے خواب راتوں کی کہانی، یہ رتجگوں کے عذاب اندھی راتوں میں اِک امیدِ سحر باندھے مسلسل جاگتی، بینائی کھوتی اُن آنکھوں کی کہانی، کیا یہ شاعری کہہ سکے گی مگر کہاں؟"

(اور شام ٹھہر گئی۔ نجمہ شاہین کھوسہ)

یقیناً آج کا عہد ایسا ہے جس میں مسائل و موضوعات کا انبار ہے۔ کس کس کو دیکھا جائے، کس کس پر آنسو بہایا جائے یا کس کس کرب و انتشار کی بات کی جائے؟ یہ اہم سوال تو ہے۔ ان سوالات پر غور کرنے والا ہی ان سوالات پر بات کر سکتا ہے یا کر سکتی ہے۔ نجمہ شاہین صرف غور ہی نہیں کرتیں بلکہ ان کو اپنی شاعری کا موضوع بناتی ہیں۔ پیش لفظ میں جو انھوں نے لکھا وہ ان کے عجز بیان کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ وسعت بیان کا غماز ہے۔ نجمہ کی شاعری کے کچھ خاص موضوعات بھی ہیں ان میں ایک اہم موضوع 'تلاش ذات کا تصور' بھی ہے بلکہ یہ بہت گہرا ہے۔ آج کے اس مردم بے زار اور انتشار سے بھری دنیا میں انسان کہیں غائب ہو گیا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے مطب میں ہر روز سینکڑوں انسانوں کو دیکھتی ہیں، لیکن وہ مرض سے نجات کی تلاش میں آتے ہیں، جن کے چہرے اور جسم سے صرف بے بسی اور لاچاری جھلکتی ہے، وہ چلتے پھرتے انسان تو ہیں مگر صرف ایک خواہش رکھتے ہیں کہ دکھ سے نجات مل جائے۔ اس کے علاوہ معاشرے میں جن انسانوں سے سابقہ پڑتا ہے ان میں انسان کو تلاش کرنے کا عمل ایک

انسان ہی کر سکتا ہے۔ نجمہ کو یہ کرب اکثر ستاتا ہے تب ہی یہ کہتی ہیں:

جو کھو چکے ہیں وہ منظر تلاش کرتی ہوں
بکھر گئے ہیں جو پیکر تلاش کرتی ہوں

کبھی تلاش جو کرنا ہو اپنا آپ مجھے
تو اس کی ذات کے اندر تلاش کرتی ہوں

کبھی جو حد سے گزر جائے دکھ تو ہنستی ہوں
خوشی نہیں جو میسر تلاش کرتی ہوں

قریب رہ کے بھی کرتی رہی تھی قرب تلاش
میں چاہتوں کے ہی زیور تلاش کرتی ہوں

یہ آرزو ہے صنم کو قریب تر دیکھوں
سو ریگزار میں پتھر تلاش کرتی ہوں

کروں گی اس کا طواف عمر بھر میں بس شاہیںؔ
اب اپنا مرکز و محور تلاش کرتی ہوں

تلاش و جستجو ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو انکشاف اور ایجاد کی منزل تک لے جاتا ہے۔ نجمہ اسی کے سہارے انکشاف ذات تک پہنچتی ہیں اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ انکشاف ادراک کی منزلوں کی سیر کراتا ہے۔

ان کے یہ اشعار دیکھیں:

رت جگے، آنسو، دعائے بے اثر ہے اور میں
عشق لا حاصل ہے، اک اندھا سفر ہے اور میں

چھوڑ کر آئی ہوں ہر منزل کو میں جانے کہاں
یہ دلِ سودائی اب تک بے خبر ہے اور میں

اب تلک رستے وہی اور عکس آنکھوں میں وہی
اور خود کو ڈھونڈتی میری نظر ہے اور میں

ان اشعار میں ''میں''، یعنی متکلم صرف نجمہ نہیں ہیں بلکہ ہر وہ حساس انسان ہے جو آج کے پُر فتن اور پُر آشوب دور میں جی رہا ہے جہاں خود کو خود کی خبر نہیں ہے۔اسی طرح کے موضوعات کو انھوں نے کئی مسلسل غزلوں میں بہت سلیقے سے پیش کیا ہے۔کئی نظموں میں بھی یہ لے
موجود ہے۔ان کی ایک مشہور نظم کو دیکھیں:

نظم 'محبتوں کا یہ طور سینا'

سنو مسافر
یہ دل صحیفہ سہی مگر اس پہ چاہتوں کی
کوئی کہانی رقم نہ ہوگی
کہ چاہتوں کی ہر اک کہانی اداس آنکھوں سے جھانکتی ہے
اداس چہروں پہ ہی رقم ہے
سو میری مانو تو دل صحیفے کو گزرے وقتوں کی داستانوں سے ہی سجاؤ
سنو مسافر
محبتوں کا یہ طور سینا
بھٹکتے رہنے کا راستہ ہے
بہت بلندی پہ جانے والوں کو منزلوں کی خبر نہیں ہے
کئی مسافر بھٹک چکے ہیں

کہ ان کو رستے جھٹک چکے ہیں
ہر اک مسافر کے راستے میں نہ کوئی جنت نہ کوئی دوزخ
اگر ملا بھی کسی کو کچھ تو
ملا ہے بس ہجر کا ہی برزخ
ہاں کچھ مسافر جو طور سینا کی عشق منزل پہ جا کے ٹھہرے
انہیں بھی مایوسیاں ملی تھیں
انہیں تجلی نہیں ملی تھی
کوئی تسلی نہیں ملی تھی
سو وہ محبت کی آیتوں کے بغیر لوٹے
عنایتوں کے بغیر لوٹے
سوائے مسافر
مری جو مانو تو لوٹ آؤ
یہ دل صحیفہ سہی مگر
اس پہ چاہتوں کی کوئی کہانی رقم نہ ہوگی

یقیناً ان کو رقم کرنا ممکن نہیں لیکن کیا بھی جا سکتا ہے جیسا کہ اس نظم میں بیان ہوا ہے۔اس کی توجیح خود نجمہ کے اس شعر میں موجود ہے:

زمانے بھر کی یہ تلخیاں ہیں جو میرے لہجے میں آ بسی ہیں
میں اپنے شعروں میں دھیرے دھیرے یہ زہر مایہ اگل رہی ہوں

اس غزل کے تمام اشعار حصار ذات اور تلاش ذات کے ترجمان ہیں، اسی غزل کے دو شعر اور دیکھیں:

یہ ہجر کا راستہ ہے جس پر میں تنہا تنہا سی چل رہی ہوں
بس اس کی یادوں کی دھوپ ہے اور میں قطرہ قطرہ پگھل رہی ہوں

شکستہ خوابوں کی کرچیاں ہیں جو میری آنکھوں میں چبھ رہی ہیں
میں خارزاروں میں چل رہی ہوں میں گرتے گرتے سنبھل رہی ہوں
کروں گی کیا بال و پر کو اپنے قفس میں جینا جو لازمی ہے
کہاں ہے شاہینؔ شادمانی دکھوں کی دنیا میں پل رہی ہوں

نجمہ کی شاعری کے کئی رنگ ہیں ان میں ایک رنگ عشق اور ہجر و وصال کی کیفیت اور لذت کا بھی ہے۔ یوں تو اردو غزل کا یہ عمومی رنگ ہے مگر ہر شاعر نے اسے اپنے رنگ میں پیش کر کے اپنی انفرادیت قائم کی ہے۔ نجمہ کا یہ رنگ ملاحظہ ہو جس میں ان کی الگ شناخت نظر آتی ہے:

عشق کو آنکھ میں جلتے دیکھا
پھول کو آگ میں کھلتے دیکھا

عشق کے راز نہ پوچھو صاحب
عشق کو دار پہ چڑھتے دیکھا

عشق کے دام بھی لگ جاتے ہیں
مصر میں اس کو بھی بکتے دیکھا

عشق وہ باغ ہے جس کو ہم نے
ہجر کی رت میں مہکتے دیکھا

غم کیا ہجر و وصال کا اس کو
عشق میں جس کو بھٹکتے دیکھا

ہجر میں بھی یہ مری سانس اگر باقی ہے
اس کا مطلب ہے محبت میں اثر باقی ہے

چھوڑ یہ بات ملے زخم کہاں سے تجھ کو
زندگی اتنا بتا کتنا سفر باقی ہے

تم ستم گر ہو نہ گھبراؤ مری حالت پر
زخم سہنے کا ابھی مجھ میں ہنر باقی ہے

ان اشعار میں عشق اور ہجر و وصال کو جس انداز سے پیش کیا ہے وہ نجمہ کا اپنا مخصوص انداز ہے اور اس کو پیش کرنے کے لیے انھوں نے جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ ان کی شناخت ہے۔

نجمہ شاہین کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے وہ نئے نئے انداز میں مضامین کو پیش کرتی ہیں۔ کبھی مختصر بحروں کی غزل لکھتی ہیں تو کبھی طویل بحروں کے استعمال سے نغمیت پیدا کرتی ہیں۔ غزل کے بجائے میں حمد کے کچھ اشعار مثال میں پیش کرتا ہوں:

اے میرے مولا اے میرے آقا، بس اپنے رستے پہ ڈال دے تُو
یہ فانی دنیا کے غم ہیں جتنے، یہ میرے دل سے نکال دے تُو

ہو نام تیرا ہی دل کے اندر، ہو ذکر تیرا مرے لبوں پر
ہو اتنی سچی یہ میری چاہت، کہ عشق بھی بے مثال دے تُو

کسی کو رنگ اور نور دے دے، کسی کو عقل اور شعور دے دے
تُو جس کو جو کچھ بھی دے اے مولا، مجھے اک اپنا وصال دے تُو

غزل کے علاوہ نظموں میں بھی نجمہ شاہین نے اپنا ہنر دکھایا ہے اور نئے خیالات و مضامین کو پیش کیا ہے ان کی ایک نثری نظم کی مثال لیں جس کا عنوان ہے ''بکتے دیکھا جہاں'':

جب چھوٹے تھے ہم

ماں ہم کو پیسے دیتی اور کہتی تھی
جاؤ فلاں دوکان سے جا کر چیزیں لاؤ
ہم معصومیت سے ماں سے سوال کرتے
ماں کیا پیسوں سے ہر شے مل جاتی ہے
ماں مسکرا دیتی
اور کبھی ایسا بھی ہوتا
ایسے ہی کسی چبھتے سوال پر
جب ماں مسکراتی تو یوں لگتا
جیسے اُس کی داہنی آنکھ کا کونہ بھیگ گیا ہے
تب ذہن الجھتا
ماں کے اس طرح مسکرانے پہ
اور یوں اس کی آنکھ کا کونہ بھیگ جانے پہ
پھر یوں ہوا
وقت نے پیرہن بدلا
اٹکھیلیاں کرتا بچپن
جوبن کے رنگ و روپ بدلتے
ذہن و دل کے دریچے بھی وا کرتا گیا
باہر نکلے تو دیکھا
ہر چیز پیسوں سے مل رہی ہے
وفا بھی بِک رہی ہے
اور مروت کے بھی خریدار ہیں بہت
پھر ہم نے سوچا

محبت تو بے مول ہے
یہ تو نہیں بِک سکتی
مگر ظالم وقت کے پیرہن نے
سوچ کا یہ دریچہ بھی بدل ڈالا
عشق کے بھی دام لگتے ہیں یہاں
شاید خرید و فروخت کے لئے بنا ہے یہ جہاں

اس نظم کا آخری مصرعہ اس دنیا کی حقیقت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ بات بچپن کی کہانی شروع ہوتی ہے تو اس دنیا کی حقیقت تک پہنچتی ہے انسانی ذہنیت کی بدلتی ہوئی یہی وہ تصویر ہے جہاں اقدار و روایات کی جگہ مادیت نے لے لی ہے اسی لیے اب انسان اور معاشرے کو دیکھنے کا نظریہ بدل گیا ہے۔ یہی وہ آج کا سب سے بڑا کرب ہے اسی کرب کو نجمہ نے اپنی شاعری میں جا بجا پیش کیا ہے۔

مختصر یہ کہ نجمہ شاہین کی شاعری میں موضوعات و اسالیب کی رنگا رنگی بھی ہے اور خیالات و افکار کی جلوہ سامانیاں بھی ہیں۔ انھوں نے حمد، نعت، منقبت، گیت اور مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف میں اپنی شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کا 'صاحب سائیں عشق' کون؟

کرامت اللہ غوری (کینیڈا)

یہ جو ہماری دنیا کرونا کے عذاب میں مبتلا ہے اس کے ہاتھوں ہم گھروں میں محصور تو ہو گئے لیکن اس لعنت نے اہل سخن کو ایک نعمتِ غیر مترقبہ زوم کے ذریعہ گھر بیٹھے مشاعروں اور شعر و سخن کی محفلوں کی شکل میں عطا کی ہے جو دولتِ بے بہا ہے اور جس سے اس پرانے قول کی صداقت پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ہر سیاہ بادل کے حاشیہ پر ایک روپہلی کرن بھی ہوتی ہے۔

ان مشاعروں کا احسان ہے کہ مجھے یہاں شمالی امریکہ میں رہتے ہوئے بھی دور دراز کے o میں آباد اپنے قلم اور سخن قبیلے کے ان افراد سے شناسائی کا تحفہ ملا جن میں سے اکثر سے میں اس سے قبل بالکل لاعلم تھا۔ کوئی واقفیت نہیں تھی مجھے کہ کہاں کہاں، کیسی کیسی گدڑیوں میں کیسے کیسے نایاب لعل چھپے ہوئے ہیں۔

ایسا ہی ایک درِ نایاب مجھے ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ میں نظر آیا۔ میں نے جب پہلی بار اس لڑکی کو سنا تو حیرت ہوئی کہ ہمارے پاکستان کے ان شہروں میں بھی جو ثقافتی اور ادبی جغرافیہ میں کوئی نام، کوئی شہرت، نہیں رکھتے ایسے سخنور ہیں جو جاندار شعر کہتے ہیں لیکن اس ستائش و شہرت سے خال خال ہی شناسا ہوتے ہیں جو فن کی بنیاد اور استعداد کے اعتبار سے ان کا حق بنتا ہے۔

مجھے نجمہ شاہین کو سن کر اور حیرت یوں ہوئی کہ یہ لڑکی پیشہ کے لحاظ سے کارِ مسیحائی کرتی ہے، مریضوں کو شفا دینے کا جتن کرتی ہے لیکن اس ہمہ وقت مصروفیت کے باوجود وہ سخن کی گہرائیوں میں اتر کے اپنی روح کی مسیحائی کا سامان کرنے کیلئے وقت نکال لیتی ہے۔

مجھے اس خوشگوار دورنگی پر اپنے عہد کے صاحبِ طرز شاعر سراج الدین ظفر کا یہ شعر یاد آ گیا:

هم سا رندِ باکرامت کیا کوئی ہوگا کہ ہم
دن کو درویشی کریں راتوں کو سلطانی کریں

ڈالٹر نجمہ شاہین سخن کی سلطانی کرتے کرتے اب اس قلمرو کو فتح کرنا چاہ رہی ہے جہاں قال کا نہیں حال کا راج ہوتا ہے۔

تصوف کا کون طالبعلم ہے جو مولانا روم یا جلال الدین رومی سے واقف نہیں۔ اور رومی کے تعلق سے ان کے مرشد شمس تبریز سے بھی ہر عاشقِ رومی واقف ہے۔ رومی کو مولانائے روم بنانے والے یہی شمس تبریز تھے جن کے ہاتھ پر مولانا نے بیعت کی تھی۔ اور اس بیعت کی روایت یہ ہے کہ مولانا کسی حوض کے کنارے کتب بینی کر رہے تھے کہ شمس تبریز وہاں آ گئے اور مولانا سے ان کتابوں کی بابت سوال کیا۔ مولانا نے ان کا حلیہ دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں ان کتابوں سے کیا لینا دینا؟ شمس تبریز نے یہ سنا تو کتابیں اٹھا کر حوض میں پھینک دیں جس پر مولانا کو جلال آ گیا اور فرمایا کہ تم نے حکمت کے وہ نسخے ضائع کر دیئے جن کا ملنا محال ہے۔ یہ سن کر شمس تبریز نے ہاتھ ڈال کر ان کتابوں کو حوض سے نکال لیا اور مولانا یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کتابیں ویسی ہی خشک تھیں جیسی پانی میں پھینکنے سے پہلے۔ مولانا کی حیرت دیکھ کر شمس تبریز نے کہا یہ حال کی باتیں ہیں جنہیں تم جیسا صاحبِ قال کیا جانے۔ یہ سنتے ہی مولانا نے ان کے ہاتھ پہ بیعت کی اور وہاں سے تسوف کی وہ آفاقی شاعری شروع ہوئی جس کا ذخیری مثنوی کی چھ جلدیں ہیں اور یہ مولانا روم کی وہ تاریخی مثنوی ہے جس کے متعلق شارحین کا یہ فتوی دائمی ہے: ہست قرآں در زبانِ پہلوی۔

سچا سخنور جب قال سے آگے کا سفر شروع کرتا ہے تو وہ بھی صوفی کی طرح حال کی منازل طے کرتا ہے۔ اس کا سفر اس ذات ازل تک پہنچنے کی کھوج اور جستجو کا سفر ہوتا ہے جو انسان کو پیدا کرنے والا اور اسے شعور عطا کرنے والا ہے۔ وہ وہاں لوٹنا چاہتا ہے جہاں سے اس نے اس دنیائے فانی کا سفر شروع کیا تھا۔ اس کی کھوج اس مبدا کو پانا چاہتی ہے جس

سے اس کا وجود ہوا۔

مثنوی کا پہلا شعر ہی سفر کا مدعا بیان کر دیتا ہے

بشنو از نے چوں حکایت می کند

(بانسری کی سن کہ وہ کیا حکایت بیان کرتی ہے)

دز جدائی ہا شکایت می کند

(اور جدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے)

اور یہ بھی

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش

(جو کوئی اپنی اصل سے دور ہو جاتا ہے)

باز جوید روز گار وصلِ خویش

(وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر تلاش کرتا ہے)

ہے لیکن اس تمام بحث کو اسد اللہ خاں غالب نے کس سادگی سے ایک شعر میں بیان کر دیا:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

نجمہ شاہین کی کھوج بھی وہی ہے جس نیروی کیلئے قال سے حال تک کی منزل کو زیست کا حاصل قرار دیا اور اس تلاش کا ماحصل یہ زیرِ نظر مجموعہ' میرا صاحب سائیں عشق' ہے۔ نجمہ شاہین کو مشاعروں میں سننے والے شاید اس کو سمجھنے میں دشواری محسوس کریں کہ روایتی شاعری کرتے کرتے یہ ڈاکٹر شاعرہ روح کی مسیحائی کیوں کرنے لگی؟

اس سوال کا بڑا مسکت جواب شان الحق حقی صاحب نے دیا ہے۔ فرماتے ہیں:''اردو شاعری کے سر یہ الزام رہا ہے کہ یہ عشق و عاشقی، شراب و ساغر کی شاعری ہے۔۔۔ دراصل صورتِ حال اس سے بہت مختلف ہے۔ ہمارے ہاں غیر رومانی شاعری کا

تناسب دوسری زبانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے

حقی صاحب کی یہ تحریر میں نے اس دیباچہ سے لی ہے جو انہوں نے میری مرحومہ شریک حیات اور شریک فن، عابدہ کرامت کے حمد کے مجموعے،''جبینِ نیاز'' کو ادبی دنیا سے متعارف کرواتے ہوئے لکھا تھا۔ عابدہ کرامت کا یہ مجموعہ شائد اردو ادب کی تاریخ کا واحد وہ مجموعہ کلام ہے جو تمام کا تمام اللہ تعالی کی حمد و ثنا پر مشتمل ہے۔ حقی صاحب نے لکھا

''دنیا کی شاعری بیشتر رومانی، فکری یا تفریحی ہے۔ ہمارے ہاں شاعروں نے اپنی عمریں قوم کی غم خواری میں گذار دیں۔ اسی سلسلے میں دینی یا ڈیوشنل شاعری کا نام بھی لے سکتے ہیں۔ حالی کے مسدس' مدو جزر' اور حفیظ کے' شاہنامہ اسلام' جیسی ملی شاعری کے علاوہ حمد، نعت، منقبت، سلام، مراثی کے لامتناہی دفتروں کی طرف نظر کیجئے تو حیرت ہوتی ہے اردو غیر رومانی شاعری کا کتنا زبردست ذخیرہ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جس کا جواب کہیں نہیں ملے گا''۔''

نجمہ شاہین بھی اپنے اس تازہ رثائی یا صوفیانہ کلام کے مجموعہ سے اردو کی دینی یا ڈویشنل شاعری کے ذخیرہ کو اور وسیع، اور زیادہ عمیق، کرنے کی راہ پر گامزن نظر آتی ہیں۔

صوفیانہ کلام کے امام اور سرخیل بلا شبہ ہمارے فارسی اور اردو زبانوں کی شاعری میں مولانا رومی ہیں اور ان کی مثنوی اس ذخیرہ کا کوہِ نور ہے۔

صوفیانہ کلام کی اساس اللہ کا عشق اور اس کو پا جانے کی کھوج ہے۔ اس ضمن میں اردو شاعری کے قارئین اور اکثر ناقدین کے ہاں بھی ایک غلط فہمی جو عام پائی جاتی ہے اور جس کا میں سمجھتا ہوں کہ ازالہ بہت ضروری ہے وہ یہ کہ صوفی اللہ کی تلاش میں فنائے ذات کا بھی پرچار کرتا ہے اور ترکِ دنیا کا بھی جب کہ حقیقت میں یہ دونوں مفروضے غلط ہیں۔

انسان خدائے تعالی کی تخلیق کا شاہکار ہے تو پھر وہ صوفی جو خدا کی صناعی پر عاشق ہے اس کے بنائے ہوئے شاہکار کی فنا کیوں چاہے گا؟ زندگی لینا بھی حق اور استحقاق اسی ذاتِ واجب کا ہے جو پیدا کرنے والا اور تخلیق کا رِازل ہے۔

اسی طرح ترکِ دنیا صوفی کا مسلک نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا اسی خلاقِ ازل کی بنائی ہوئی ہے جس تک وہ اسی دنیا میں رہتے ہوئے پہنچنا چاہتا ہے۔

فرق صرف ایک عام انسان اور ایک صوفی کے دنیا برتنے کے انداز میں ہے۔ طریقت کا داعی اور صوفیانہ طریق کا سالک تو وہ ہے جو اس چیلنج کو قبول کرتا ہے کہ دریا میں رہو لیکن دامن تر مت ہونے دو۔ یہ مفہوم فارسی کے اس ایک شعر میں اپنے تمام تر مفہوم کے ساتھ ادا ہو گیا ہے۔

در میانِ قعرِ دریا تختہ بندھم کرگئی
باز می گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

میرے مولا علی مرتضیٰ، جن سے طریقت کے تمام سلسلے چلے، ان کا قولِ صادق بھی تو یہی ہے۔ فرمایا میرے مولا نے کہ دنیا میں رہو لیکن دنیا کو اپنے اندر نہ آنے دو اسلئے کہ کشتی پانی میں اس وقت تک چلتی ہے جب تک وہ پانی کے اوپر رہے لیکن اگر پانی کشتی میں آجائے تو پھر وہ ڈوب جاتی ہے۔

تو صوفی ترکِ دنیا نہیں کرتا بلکہ عشقِ خدا کی آگ کو اپنے دامن میں بھر کر طریقت کا سفر طے کرتا ہے۔ جگر مرادآبادی نے کیا خوب کہا ہے

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اسلئے مجھے حیرت بالکل نہیں ہے کہ مسیحائی کا پیشہ اختیار کرنے والی ایک نوعمر شاعرہ اپنے اللہ سائیں کے عشق میں ڈوب کر اور بے اختیار ہو کر صدا لگاتی ہے:

مرے چارہ گر، میں ہوں دربدر، میں تو تھک گئی، ہے عجب سفر
مری بے نشاں سی ہیں منزلیں، مجھے راستہ بھی دکھا پیا

اور اسی عالمِ استغراق میں یہ بھی اس کے لحن سے ادا ہوتا ہے

☆☆☆☆(یہ مصرع رہتا ہے)☆☆☆☆

نہ حدود میں، نہ قیود میں، مرا دل ترے ہی وجود میں
یہ سجود کا حسیں پیرہن میری روح پر تو سجا پیا

مرے آسماں، مرے سائباں، تو ہی رازداں، تو ہی مہرباں
جہاں لامکاں کے ہیں سلسلے، وہیں میرا گھر بھی بنا پیا

یہ جو میرے من میں ہے روشنی، یہی زندگی، یہی بندگی
مری فکر میں، ترے ذکر میں، جو چراغ ہیں وہ جلا پیا

یہ اپنے پیدا کرنیوالے تک پہنچنے اور اسے پا جانے کی کھوج ویسی ہی تو ہے جو بقول رومی بانسری کو پریشان رکھتی ہے کہ وہ اس بانس تک پہنچ جائے جس سے کاٹ کر اسے بنایا گیا تھا۔

یہ تلاش، یہ کھوج، یہ سفر آسان نہیں ہے دنیا میں رہتے اور اسے برتتے ہوئے۔ بقول عابدہ کرامت

دنیا کے شور میں تو سنائی نہیں دیا
اتنا قریب تھا کہ دکھائی نہیں دیا

نجمہ شاہین ایک طبیب ہیں اور دن بھر مسیحائی کا فریضہ نبھاتی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک بیوی اور ایک ماں کی ساری ذمہ داریاں بھی نبھاتی ہیں۔ مجھے ان میں اور اپنی بیوی میں اس لحاظ سے بڑی مماثلت دکھائی دیتی ہے۔ میری عابدہ کرامت بھی میرے ساتھ ملکوں ملکوں پھرتی رہیں،، ایک پیشہ ور سفارتکار اور سفیر کی شریکِ حیات ہونے کا بارِ گراں اٹھائے رہیں لیکن نہ روایتی شاعری کو ترک کیا اور نہ ہی اپنے معبود تک پہنچنے کا طریق چھوڑا۔ اپنی نواسی سے عشق کیا تو اس کیلئے نظموں، گیتوں کا ایک پورا مجموعہ تخلیق کر دیا۔ ہماری نواسی کا نام رباب ہے تو اس کے نام کی مناسبت سے ''ربابیات'' کے عنوان سے ایک ایسی کتاب تخلیق کی جو اردو شاعری میں اپنی نوعیت کی واحد مثال ہے لیکن پھر ''جبینِ نیاز'' بھی ان ہی کے ذہنِ رسا نے تخلیق کی جو ان کے معبود اور پالن ہار کے نام حد یہ ہے اس دعا کے ساتھ کہ

مرے رتجگوں کا یہ مول دے
مری چشمِ فکر کو کھول دے

نجمہ شاہین اسی مدعا کو کمال سادگی سے یوں ادا کرتی ہیں

میرا روپ سنواردے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

ترکِ دنیا کئے بغیر اپنے معبود تک رسائی کا سفر جاں گسل بھی ہوتا ہے اور صبر آزما بھی۔ طریقت کی اس راہ پر تلاشِ منزل میں سرگرداں میں نے اپنی مرحومہ بیوی کے وہ رتجگے دیکھے ہیں جو نیند کو کوسوں دور رکھتے ہیں اور پھر اس سوال کی صورت ایک شعر میں ڈھل جاتے ہیں

رگِ جاں سے بھی بڑھ کر قرب ٹھہرا
تو کیوں دوری مرے معبود رکھی

اور مجھے چنداں حیرت نہیں کہ نجمہ شاہین اسی درد اور کرب کو یوں بیان کرتی ہیں

تو ہی میرا مولا ہے، تو آج کہاں ہے سائیاں
کیسی دوری، جب میرا دل تیرا جہاں ہے سائیاں

میں بس یہی دعا کرونگا کہ نجمہ شاہین کا سفرِ طریقت انہیں منزلِ مراد تک اس لگن اور تڑپ کے ساتھ پہنچادے جو اس مجموعہء کلام کے ہر شعر اور ہر مصرعہ سے یوں جھلک رہا ہے جیسے روشنی قندیل کے آئینے سے ہویدا ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس لگن اور خلوص کے ساتھ نجمہ شاہین نے اپنے عشقِ الٰہی کو شعر کا قالب عطا کیا ہے تو وہ معبود جس کی شان ہی سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ رحمان اور رحیم ہے ان کی دعائیں اور مناجات کو شرف قبولیت بخشے گا اور ان کی یہ دعا ضرور مستجاب ہوگی

میرے لیکھ سنوار دے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

نجمہ شاہین کھوسہ کا نیا شعری آہنگ

رضی الدین رضی

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کا شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جو اردو میں نسائی شاعری کا مضبوط حوالہ بن چکی ہیں۔ ان کے شعری سفر کا آغاز 15 برس قبل ''پھول سے بچھڑی خوشبو'' کے ساتھ ہوا اور پھر 2007ء میں اسی شعری مجموعے سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کرنے والی ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ نے جب زمانے کی بدصورتیاں دیکھیں تو ''میں آنکھیں بند رکھتی ہوں'' کا اعلان کر دیا اور پھر جب ان کے جیون میں شام ٹھہر گئی تو انہوں نے ''اور شام ٹھہر گئی'' کے ذریعے بتادیا کہ شام ٹھہر جانے سے زندگی بہرحال نہیں ٹھہرتی۔ پھر وہ ''پھول، خوشبو اور تارہ'' کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں کہ ستارہ صحرا کے سفر میں راستہ دکھاتا ہے اور بھٹکے ہوئے مسافروں کے لیے راستہ دکھانے والا ستارہ ہی زندگی کا استعارہ ہوتا ہے۔ نجمہ شاہین کھوسہ نے اس سفر میں اس پھول اور خوشبو کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی جو ان کی پہلی کتاب کا موضوع تھے، وہی پھول جس سے بچھڑی ہوئی خوشبو سب کو حیران کرتی تھی اور اعلان کرتی تھی کہ

عجیب ہوتی ہے یہ محبت، رقیب ہوتی ہے یہ محبت
کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے یہ محبت

ڈاکٹر نجمہ شاہین کی بنیادی شناخت ایک مسیحا کی ہے۔ محترمہ بشری رحمان نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ وہ قلم سے بھی نشتر کا کام لیتی ہیں اور ایک مسیحا کی حیثیت سے لوگوں کے زخموں پر لفظوں کے مرہم رکھتی ہیں۔

''پھول سے بچھڑی خوشبو'' سے شروع ہونے والا ڈاکٹر نجمہ شاہین کا سفر

اب اس منزل تک پہنچ گیا ہے جہاں محبت عشق کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور عشق بھی وہ جس میں من وتو کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کا تعلق ایک ایسے خطے سے ہے جو سرائیکی زبان کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔انہوں نے ڈیرہ غازی خان میں رہتے ہوئے جب اردو کو ذریعہ اظہار بنایا تو بہت سے لوگوں نے ان کی شاعری کو تعصب کی نظر سے بھی دیکھا۔انہیں ماں بولی کو نظر انداز کرنے کا طعنہ بھی دیا گیا لیکن طعنہ دینے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ وہ قومی زبان میں انہی کے خطے کے دکھوں سے پوری دنیا کو آشنا کر رہی ہیں۔وہ اسی خطے کی محرومیاں اور یہاں کی خواتین پر روا رکھے گئے مظالم اپنی شاعری کے ذریعے صرف پاکستان ہی نہیں پورے برصغیر اور پھر ڈیجیٹل سہولتوں کی بدولت پوری دنیا تک پہنچا رہی ہیں۔ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ نے اپنی شاعری کے حوالے سے کسی کے الزام کا جواب دینے کی بجائے صرف یہی کہا کہ کوئی میرے جیسا سوچے، اسے لکھے اور ہر مرتبہ اسی تسلسل اور سوچ کے ساتھ لکھے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو پھر خاموشی اختیار کر لے۔اور واقعی پھر سب نے خاموشی اختیار کر لی۔

’’میرا صاحب سائیں، عشق ہے تو‘‘ ڈاکٹر نجمہ شاہین کا پانچواں شعری مجموعہ ہے جس کا نام ہی نہیں انتساب بھی ہمیں بتاتا ہے کہ اس مجموعے کے موضوعات کیا ہیں۔یہ انتساب انہوں نے اسی رحمان ورحیم کے نام کیا ہے جو ہمیں سانسیں عطا کرتا ہے۔ڈاکٹر نجمہ شاہین کی اس کتاب میں شامل نظمیں، غزلیں اور کافیاں ہم اس سے پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔یہ سارا کلام جب فرد فرد ہمارے سامنے تھا تو اس کا وہ تاثر نہیں تھا جو مجموعے کی صورت میں سامنے آنے کے بعد نئی معنویت کے ساتھ اجاگر ہوا ہے۔

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ اپنا سفر تسلسل کے ساتھ جاری رکھنا جانتی ہیں۔بطور مسیحا اور بطور سوشل ورکر ’’آنچل‘‘ کے پلیٹ فارم سے ان کی جو خدمات ہیں وہ میرا آج کا موضوع نہیں۔میں اپنی بات ان کے شعری سفر تک ہی محدود رکھوں گا اور یہ بتانا چاہوں گا کہ شاعری کی سفر میں انہوں نے ہر مرتبہ نئے تجربات اور نئے موضوعات کو

مدنظر رکھا۔ان کی ہر کتاب میں ایک نیا ذائقہ قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔وہ غزل اور نظم میں ردیفوں کے تجربے بھی کرتی ہیں اور ہیئت کے بھی۔یہی تجربے ان کی شاعری کو منفرد بھی بناتے ہیں اور قاری کو ان کے کلام کا گرویدہ بھی کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب کی لفظیات اور موضوعات تصوف کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔اس میں تصوف کا وہ رنگ نمایاں ہے جو عشق کو اس بلندی تک پہنچا دیتا ہے کہ جہاں عقل محوِ تماشائے لبِ بام رہ جاتی ہے۔یہ رنگ ہمیں صوفیا کے کلام میں ان کی مادری زبانوں میں تو ملتا ہے اور اس کا اظہار بالعموم اردو شعراء نے بھی اپنی مادری زبانوں میں ہی کیا۔ لیکن ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ نے اردو کو اس نئے ذائقے کے ساتھ آشنا کر دیا اور یہ شناسائی ان کی شاعری کو بھی نئے موضوعات اور نئی بلندی دے گئی۔ان میں سے بعض موضوعات ہمیں اس سے پہلے ان کی دیگر کتابوں میں بھی پڑھنے کو ملتے ہیں لیکن اس مجموعے میں یہ ایک نئے رنگ کے ساتھ سامنے آئے ہیں۔ان کی نظموں میں ہیئت کے کئی تجربے بھی دکھائی دیتے ہیں اور غزلوں میں ان کے ہاں ایسی بحور سامنے آئیں جو اس سے پہلے انہوں نے استعمال نہیں کیں۔چھوٹی بحر کی ایک غزل کے چند اشعار دیکھیں

یہ رمز سکھائی عشق نے بس
راہوں میں نہیں دیوار پیا

کیوں آنکھ ترستی جلووں کو
جب ہر سو ترا دیدار کیا

مجھے سارے لفظ عطا کیجئے
کرنا ہے مجھے اظہار پیا

ایک اور غزل کے چند اشعار

چاہتوں کے تخت پر ہم کو بٹھایا، شکریہ
اور بٹھا کر پھر نظر سے بھی گرایا، شکریہ

روشنی کہہ کر دھوئیں میں مجھ کو اس نے گم کیا
دل لگی، دل کی لگی کو ہی بنایا، شکریہ

اداسی کی جو کیفیت ہمیں ان کی پہلی کتاب میں ملتی ہے اس کا تسلسل اس پانچویں کتاب تک بھی آیا ہے۔ لیکن اس مرتبہ اداسی کے ساتھ ساتھ ان کی ایک غزل میں تھک جانے کا احساس بھی اتنا نمایاں ہے کہ جو پڑھنے والے کو خوفزدہ کر دیتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ان کا شعری سفر اسی تسلسل کے ساتھ جاری رہے اور ان کا چھٹا شعری مجموعہ بھی جلد ہمارے سامنے آئے، کسی نئے تجربے اور کسی نئے زاویے کے ساتھ کہ ''میرا صاحب سائیں، عشق ہے تو'' میں وہ عشق کی جس منزل تک پہنچی ہیں وہ منزل نہیں ایک تسلسل کا نام ہے کہ ہم سب جانتے ہیں کہ عشق کے سفر کا کوئی انت نہیں ہوتا۔

یکم جولائی دو ہزار اکیس

poetrazi@gmail.com

جنونِ عشق کی داستان

کرنل ڈاکٹر اسد محمود خان

عشق، مغلوب محبتوں پر فاتح اکلوتی محبت کی شدّت کا وہ احساس ہے جو اوّل اوّل دل میں عشق آباد رکھتا اور رفتہ رفتہ دل کو عشق میں آباد کرنے کا سامان کرتا ہے۔ کارِ عشق میں جہاں عشق کا معاملہ جدا دکھائی دیتا ہے وہاں عشاق کا معاملہ بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ نجمہ شاہین کھوسہ! کے ''میرا صاحب سائیں، عشق ہے تُو'' کا معاملہ بھی سب سے جدا اور سب سے الگ دکھائی دیتا ہے۔ یہ زندگی سے جڑی محبتوں، محبتوں سے پرے کھلتی روشنیوں کا معاملہ ہے۔ عشق کے اِس سفر میں محبت ابتداء اور محبت انتہاء ہوتی ہے یعنی محبت دُعا سے پہلے اور محبت دُعا کے بعد؛ دُعا سے پہلے کی محبت، رشتوں کے تقدس جب کہ دُعا کے بعد بس ایک سفرِ عشق کی روشنی ہوتی ہے جو کشٹ کی منزل میں ننھے ننھے دیوں کی لڑی سنبھالتی ہے۔ ''میرا صاحب سائیں، عشق ہے تُو'' ادراکی منزل پر روانہ عشاق، کے جذب و کیف کا فیض ہی ہو سکتا ہے جو نجمہ شاہین کی جھولی میں گرا ایک انمول خزانہ کہا جا سکتا ہے:

عشق کو آنکھ میں جلتے دیکھا
پھول کو آگ میں کھلتے دیکھا

عشق کے راز نہ پوچھو صاحب
عشق کو دار پہ چڑھتے دیکھا

عشق کے دام بھی لگ جاتے ہیں
مصر میں اس کو بکتے دیکھا

نجمہ شاہین، جذب و کیف کی جس بے خود حالت کا درشن کر چکی، اُس کیف کا سہنا

لازم ٹھہرا لیکن سہنے کی ہنر آشنا، نصابِ عشق کا بیان دوسروں کی آسانی خاطر بڑی روانی سے کہہ جاتی ہے۔ ذرا عشاق کی جاگیر کا اندازہ کیجئے گا:

تدبیر ہے تقدیر ہے قرآن ہی جاگیر ہے
اللہ کے فرمان کی قرآن ہی تصویر ہے

انجیل اور تورات بھی اس نے اتاری ہیں مگر
نقش ہے رب کا جہاں قرآن ہی تفسیر ہے

پیت بھی اور پریت بھی ، بے چین دل کا میت بھی
اور سب دلوں میں آس کی قرآن ہی تنویر ہے

نصابِ عشق کا پہلا مضمون، منزل و مسافرت کی گرد کو روشن ستارہ کرنے کا اِذن عطا کرنے چلا ہے جو وارداتِ قلبی کی دف نعت سناتا ہُوا بیدار ہوتا ہے؛ ذرا خواہش اور ادراک کا حُسن ملاحظہ ہو:

ان پر درود بھیجنا احسان بھی نہیں
اپنی دعا کا اور تو سامان بھی نہیں

طیبہ میں اوڑھ لوں میں درودوں کی اوڑھنی
بے تاب دل کا اور تو ارمان بھی نہیں

عشقِ نبی سے پائی میرے دل نے روشنی
صل علی سے آگے تو وجدان بھی نہیں

نصابِ عشق کا اگلا مضمون، معرفت و ادراک کی الجھی گتھی کو سلجھانے کی ترتیب کر دیتا ہے:

کربل والوں کے دم سے ہے، ہم کت پیارا ماتم
اپنے دکھوں میں اس جیون کا، بس ہے سہارا ماتم

زندگی کی حقیقت، محبت سے جُڑی ہے اور محبت کا نصاب رشتوں کی ابجد سے تشکیل پاتا ہے۔ تشکیلی عناصر کی گتھی میں ہر رشتہ، قلب و روح کی صورت گری کا ایک بہانہ ہوتا ہے جو محبت کی زندگی کا حسن سنوارتا دکھائی دیتا ہے۔ محبتوں کا یہی حسن، نصابِ عشق کی پہلی تختی پراوکرے، پکے کرنے کی مشق سکھاتا ہے۔ نجمہ شاہین رشتوں کی محبت سے جُڑی وہ زندہ حقیقت ہے جو نصابِ عشق کا سبق پڑھنے کا یارا رکھتی ہے۔ رشتوں کی محبت کا سلیقہ، شاعری کا سلیقہ بن کر آتا ہے؛ کہتی ہے:

دنیا کا سہارا نہ محبت کا سہارا
مجھ کو ہے مرے بابا کی شفقت کا سہارا

ہر ایک دلاسہ ہے دکھاوے کا یہاں پر
بابا کی محبت ہے حقیقت کا سہارا

ماں باپ کی صورت میں ترا روپ ملا ہے
قائم رہے مولا یہ رفاقت کا سہارا

اے مرے رب تو مجھے بخش ستارے میرے
پھول آنگن کے مرے راج دلارے میرے

یہ مرے چاند، یہ سورج، یہی دنیا میری
عمر ، حمزہ سے مکمل یہ شمارے میرے

کشٹ، گیان کی پہلی سیڑھی جب کہ انتخاب، کشٹ کی پہلی منزل ہے۔ انتخاب کا معاملہ جہاں اَدا، اطاع اور دُعا سے مشروط ہے وہاں عطاء سے بھی جُڑا ہُوا ہے۔ عشق جنوں کی مسافرت میں آئینۂ حیرت پر ابھرنے والے مبہم نقوش میں رنگ اُترنے کا منظر جس آنکھ پر منکشف ہوتا ہے، اُسی آنکھ کا منظر''' کی شاعری میں نمایاں دکھائی دیتا ہے؛ جبھی تو کہا:

پھر کار گاہِ عشق میں لایا گیا مجھے
پھر زندگی کا خواب دکھایا گیا مجھے

حیرت زدہ ہے آنکھ اور حیراں ہے زندگی
آئینہ خانے میں جو بلایا گیا مجھے

ہنستی ہے میری آنکھ تو روتا ہے میرا دل
سوزوالم کے گیت میں گایا گیا مجھے

کھلنے لگے ہیں زخم گلابوں کے رنگ میں
رنگِ خزاں میں ایسے سجایا گیا مجھے

عشق و وفا کے ساتھ ہی اک ہجرِ نا تمام
کیسے خمیر غم سے بنایا گیا مجھے

اذنِ سفر ملا تھا یوں شب کی سفیر کو
جگنو میں ماہتاب دکھایا گیا مجھے

ہونے لگے ہیں آس کے سارے چراغ گل
شاہین تیرگی میں بسایا گیا مجھے

کار گاہِ عشق میں ادراک کی منزل کا حاصل جس اظہاریے کی روح ٹھہرا، اُس کیف کی صورت کیا ہوگی۔ یہ عشق کا نہیں، جنونِ عشق کا معاملہ ہے اور کیفِ جنوں کی صورت بے چینی و بے قراری کے ساتھ ساتھ قلب و جاں کا کشٹ مانگتی ہے۔ اب یہاں جو خود سے بے خود ہونے کا یارا رکھے، وہی کشٹ و ادراک کی بے چینی میں اُترے۔ نجمہ شاہین نے ''میرا صاحب سائیں، عشق ہے تُو'' سے پرے روشن دیوں کی سمت سنبھالی تو مغلوب محبتوں کی فاتح اکلوتی محبت کی شدّت کا احساس ساتھ رہا، یہاں تک کہ فیض کی صورت بنتی گئی اور ''میرا صاحب سائیں، عشق ہے تُو'' کی تفہیم کی منزل کا مرحلہ درپیش ہُوا۔

بے شک! یہ سب کرم اور فیض کے معاملے ہیں جو جدا جدا ہو سکتے ہیں؛ جبھی تو کہا:

یہ جو عشق مسلک کے لوگ ہیں، انھیں رمز سارے سکھا پیا!
یہ جنونِ عشق کی داستان، انھیں حرف حرف سنا پیا!

مرے چارہ گر، میں ہوں دربدر، میں تو تھک گئی، ہے عجب سفر
مری بے نشاں سی ہیں منزلیں، مجھے راستہ بھی دکھا پیا!

نہ حدود میں، نہ قیود میں، مرا دل ترے وجود میں
یہ سجود کا حسیں پیرہن میری روح پر تو سجا پیا!

میں فقیر ہوں، میں حقیر ہوں۔ کسی خواب کی نہ اسیر ہوں
میں عزیز ہوں تو تجھے ہی بس، سو عزیز تر ہی بنا پیا!

یہ جو آرزؤں کا دیس ہے، یہ جو خاک خاک سا بھیس ہے
جو ازل ابد کا یہ بھید ہے، اسے بھید ہی میں بتا پیا!

یہ قدم قدم پہ بشارتیں، یہ نظر نظر میں زیارتیں
یہ بصارتیں، یہ بجھارتیں، مرے شہرِ دل کو دکھا پیا!

یہ جو میرے من میں ہے روشنی، یہی زندگی، یہی بندگی
مری فکر میں ترے ذکر میں جو چراغ ہیں ہو جلا پیا!

نجمہ شاہین نے جس دم ''میرا صاحب سائیں، عشق ہے تُو'' کی تفہیم کا کشٹ کاٹنے کا فیصلہ لیا ہوگا، یقیناً اُس دم اِس منزل کی راہ میں حائل صعوبتوں کا ادراک بھی پیشِ نظر رہا ہوگا جبھی تو ایک الگ رنگ دکھائی دیتا ہے جو لفظ لفظ اپنے سچے اور سُچے معانی، گواہی دینے حاضر ہوتے ہیں۔ ''میرا صاحب سائیں، عشق ہے تُو''، نجمہ شاہین کے عشقِ جنوں کی کتھا ہے جو اِس راہ کے مسافروں کے لیے نصاب کا درجہ رکھتی ہے۔

برسوں کی تپسیا

ڈاکٹر محسن مگھیانہ

آج اگر ڈیرہ غازیخان کے ادب کا تذکرہ ہو تو سب سے نمایاں نام جو ابھر کر سامنے آتا ہے وہ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کا ہے۔ یہ نام، مقام اور عزت ایسے ہی کوئی جھولی میں ڈال کر نہیں چلا جاتا۔ اس کے لیے برسوں کی تپسیا چاہیے ہوتی ہے۔ خداداد صلاحیت کے ساتھ ساتھ محنت اور ریاضت کام آتی تو دن بھر کے الام غمگین شام اور جگراتے بھی حصے میں آتے ہیں جو لفظ لفظ بن کر قطار اندر قطار آپ کے اندر اترتے اور سماتے ہیں تو بیرونی دنیا کے ساتھ ساتھ اندرونی دنیا سے بھی کبھی ہم آہنگ اور کبھی نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔

ادب کی آبیاری کے لیے سازگار ماحول بہت ضروری ہوتا ہے مگر محض یہی ایک عمل ہی درکار ہوتا تو پھر سوچیں صحرا میں بھی تو پھول اگتے ہیں۔ ریتلے میدانوں میں جہاں زمین پانی کو ترستی ہے وہاں تربوز اگتے ہیں تو نجانے ان کے اندر اتنا پانی ہاں سے آجاتا ہے۔ کیا یہ قدرت کی عطا نہیں ہے؟ اور یقیناً یہی قدرت کی عطا ادب کی روشنی بن کر نجمہ شاہین کھوسہ کیدل میں اتر گئی۔ سخت گیر بلوچ قوم کے ہاں ایسی لڑکی کا پیدا ہونا کسی معجزہ سے کم نہیں ہے کہ جس کے اندر سے ادب کے ابلتے ہوئے چشمے کے پانیوں کی چمک اور بہاؤ نے قبیلے کے دل بھی نرم کر دیئے۔ جندانی کے سکول میں پڑھنے والی نجمہ شاہین کھوسہ کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اس کے والد محترم جان محمد کھوسہ نے اسے ڈیرہ غازیخان کے سکول میں داخل کروا دیا اور یہی ایک ایسا قدم اٹھایا گیا کہ پھر نجمہ شاہین کھوسہ کے قدم کسی ایک منزل پہ نہ رکے۔ تبھی تو وہ خود جب اپنی پوری زندگی پر مڑ کر نظر پھیری ہے تو بے ساختہ کہہ اٹھتی ہے۔

؎ دنیا کا سہارا نہ محبت کا سہارا

مجھ کو ہے مرے بابا کی شفقت کا سہارا

اس کا یہ سفر ڈیرہ غازی خان سے شروع ہو کر ملتان جا پہنچتا ہے جہاں وہ مسیحائی کی تعلیم حاصل کرنے نشتر میڈیکل کالج پہنچتی ہے اور پھر شفاء بانٹنے واپس اپنی نگری ڈیرہ غازیخان آ ٹھہرتی ہے۔ تاہم اس کے اندر کی شاعرہ آخر کار کسمساتی ہوئی اس کے وجود سے باہر نکل آتی ہے۔ ایسا ہونے میں دیر کیوں لگی، کسی ے پوچھا تو وہ بولی

''ہمارے قبیلے میں شاعری تو کجا پڑھنا لکھنا بھی لڑکی کے لیے شجر ممنوعہ تھا۔ اس لیے میرے اندر کی لڑکی کو شاعرہ کا روپ دھارنے میں بہت وقت لگا''

شاعرہ کا پہلا روپ ایک نظم 'ملاقات آخری' کی شکل میں 1996ء میں سامنے آیا وہ خود کہتی ہیں:

''2007ء میں گائنی کانفرنس میں جاتے ہوئے میں ایک حادثے کا شکار ہوئی اور دو ماہ تک مکمل طور پر بستر کا حصہ بن گئی۔ ایک مصروف بندے کے لیے فراغت کسی سزا سے کم نہیں ہوتی۔ سو میں نے ان دو ماہ میں اپنی ڈائری ترتیب دی اور اس میں نثر اور شاعری علیحدہ علیحدہ کی۔ سرائیکی کے ایک بزرگ شاعر چاچا رمضان طالب باقاعدہ میری عیادت کو آتے تھے۔ انہوں نے ضد کر کے اور میری فیملی سے اجازت لے کر میری شاعری والے حصے ایکلتابی صورت میں شائع کرائے جس کا نام میں نے اپنی نظم ''پھول سے بچھڑی خوشبو' سے لیا یوں ایک ڈاکٹر ایک شاعرہ کے روپ میں سامنے آئی''

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کی یہ ریاضت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ جو سچا ادیب اور شاعر ہوتا ہے وہ جتنا بھی مصروف کیوں نہ ہو ادب اُس کے اندر ابلتا رہتا ہے اور سینہ چیر کر باہر آنا چاہتا ہے اور جب تک اسے ادیب یا شاعر صفحہ قرطاس پر منتقل نہ کرے وہ اس انسان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ سو دن رات کو مریضوں کی بے انتہا مصروفیت کے باوجود اب تک ان کی چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

ا۔ پھول سے بچھڑی خوشبو 2007ء

۲۔ میں آنکھیں بند رکھتی ہوں 2010ء
۳۔ اور شام ٹھہر گئی 2013
۴۔ پھول خوشبو اور تارہ 2016ء

ہمیں ان کی موخر الذکر کردہ کتابوں ''اور شام ٹھہر گئی'' اور ''پھول، خوشبو اور تارہ'' کی تقاریب رونمائی میں شرکت کرنے اور اظہار خیال کرنے کا موقعہ ملا ہے جہاں ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ محبت کو وارفتگی کے ساتھ ان کے اشعار سے بے حد متاثر ہین۔ یقیناً جس کلام میں شاعر کا اپنا جذبہ جنون، شوق، لہو، ریاضت اور محبت شامل ہو وہ قاری کے دل میں کیوں نہ گھر کرے گا۔

ادبی دنیا میں ان کا اگلا پڑاؤ ''میرا صاحب سائیں۔۔۔عشق ہے تو'' اس نئی کتاب کا کلام ہمیں گاہے بگاہے سننے اور دیکھنے کو ملا ہے۔ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ کلام شاعر بزبان شاعر سننے کا اعزاز بھی حاصل ہوا ہے۔ جہاں ان کے کلام میں درد کا عنصر بڑھتا جا رہا ہے۔ وہاں اس میں پختگی بھی آتی جا رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ عشق حقیقی کا پہلا پڑاؤ عشق مجازی میں ہوتا ہے۔ ہمیں یوں لگتا ہے کہ اب ان کی سوچوں کا قافلہ عشق حقیقی کی طرف رواں دواں ہے۔ وہ اب پہلی چار منزلیں طے کر کے پانچویں منزل پر قدم رکھتے ہوئے عارفانہ کائنات کے حصار میں داخل ہو چکی ہیں۔ یہ بھی رب تعالیٰ کی بہت بڑی دین ہے۔ ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ایک ہی غزل سے آگے نہیں بڑھ سکے گو دنیاوی طور پر وہ حجم کے حساب سے کافی اشعار کہہ چکے ہوتے ہیں مگر کئی کتابیں آنے کے بعد بھی یوں لگتا ہے کہ وہ اسی مقام پہ کھڑے ہیں جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ دکھ اور آلام کی بھٹی میں جل کر عشق کی منازل طے کر رہی ہیں جیسا کہ ان کی شاعری سے عیاں ہے۔

حضور پاکؐ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتی ہیں

میری اجڑی لمبی رات سئیں
کب بدلیں گے حالات سئیں

کردے سفینہ پاروے سائیں
بس تو ہی درکار وے سائیاں

شاہیں نبیؐ کے دم سے مجھ کو ہوئی عطا
مرتے ہوئے وجود میں جینے کی روشنی

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کی شاعری کے اس سفر کو مدنظر رکھیئے اور ان کے کلام 'جوڑ دے سائیاں' کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو احساس ہوگا کہ ان کے کلام میں کس قدر گہرائی ہے۔

ریزہ ریزہ ٹوٹ رہی ہوں اب تو مجھ کو جوڑ دے سائیاں
رنج اور غم کا یہ کاسہ اب اپنے کرم سے توڑ دے سائیاں

میرے اندر مرگیا کوئی درد سمندر بھر گیا کوئی
ڈوبنے والی جیون کشتی، رخ ساحل ول موڑ دے سائیاں

اور اشعار دیکھیں

میں تو آس تھی میں تو پیاس تھی کسی پور کی میں باس تھی
میری پتیاں گریں جابجا انہیں شاخ پر تو سجا پیا

یہ جو من میں ہے روشنی یہی زندگی یہی بندگی
میری فکر میں تیرے ذکر میں جو چراغ ہیں وہ جلا پیا

اس میں عاجزی کے ساتھ درد ہے، سوز ہے، التجاء ہے، گزارش ہے، بکھری ہوئی ہستی کو سمیٹنے کی بات ہے، من کے چراغ میں روشنی عطا کرنے کی استدعا ہے۔ یہ کس قدر دل کو چھو لینے والے اشعار ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے اور محبوب کی بارگاہ میں ماتھا ٹیک دیا ہے۔

یہی روشنی اور یہی خوشبو ان کی غزل کے اس مطلع میں دکھائی دیتی ہے اور

فضا کو معطر کرتی ہے۔

عشق کو آنکھ میں جلتے دیکھا
پھول کو آنکھ میں کھلتے دیکھا

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کی شاعری میں شام کا استعارہ بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ شام کا یہ منظران کی ادراک کے کئی در وا کرتا ہے۔ ان کی ذات پہ بہت سی چیزیں منکشف ہوتی ہیں اور ایسی واردات قلبی سے انہیں گزرنا پڑتا ہے۔ لفظ خود بخود ان کے قلم سے ٹپ ٹپ گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان کی تو ایک کتاب کا نام بھی ''اور شام ٹھہر گئی'' ہے۔ یہاں وہ لکھتی ہیں

الم کی شام آگئی لو میرے نام آگئی
چراغ لے کے راہ میں اے کاش مہرباں ملے

لگتا ہے انہیں مہربان کی تلاش ہے اور ابھی یہ محض کی حسرت کی صورت میں ان کے وجود میں اور ان کے رگ و پے میں دوڑ رہی ہے۔

زمیں ملے کہیں ہمیں کہیں تو آسماں ملے
دکھوں کی دھوپ میں شجر کوئی تو مہرباں ملے

تو ہیں جان جاں پھر یہ جہاں کچھ بھی نہیں
جز تیرے رنگینی کون و مکاں کچھ بھی نہیں

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان کا لوں لوں درد میں جکڑا ہوا ہے۔

آنکھوں میں لیے درد کا طوفاں کھڑی ہوں
اے عشق تیرے در پہ میں حیراں کھڑی ہوں

خود سے ہی اگر میری شناسائی نہیں ہے
میں اپنے ہی گھر میں کیوں بھلا مہماں کھڑی ہوں

انسان کو اگر درد کا درماں نصیب نہ ہو تو اسے یہ جہاں، یہ جگہ، یہ کون و مکاں یہ گھر بے معنی لگتا ہے۔ اسے یہ سب کچھ بیکار دکھائی دیتا ہے یہاں تک کہ اپنا وجود بھی تبھی تو وہ اپنے ہی گھر میں کیوں مہمان کھڑی ہوں جیسا سوال آسمان کی طرف اچھال رہی ہیں۔

کبھی کبھار وہ اپنی ساری قوتیں مجتمع کر کے کہہ اٹھتی ہیں:

حوصلوں کی بات ہے ریگ رواں کچھ بھی نہیں
ہو جلو میں عزم تو کوہ گراں کچھ بھی نہیں

مگر عشق کا کوہ گراں سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ یہ بوجھ اٹھانا تو بالکل سہل نہیں۔ اس میدان میں اترنا پڑتا ہے تو پھر سے ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کہہ اُٹھتی ہیں:

پھر کار گاہ عشق میں لایا گیا مجھے
پھر زندگی کا خواب دکھایا گیا مجھے

تب وہ درد سے کراہتے ہوئے کہتی ہیں
درد کا بوجھ ترے شہر سے لائے ہوئے لوگ

اب کہاں جائیں یہ زخموں کو سجائے ہوئے لوگ
تکلیف کی شدت انہیں یہ کہنے پر مجبور کر دیتی ہے

آنکھوں میں پھر سے خواب ہوں دلدار معذرت
سرکار معذرت مرے سرکار معذرت

یہی درد کا احساس ان کی نظم میں بھی نظر آتا ہے:

تاہم یہ بھی ہے جہاں پہ بھی ظلم و ستم ہوتا نظر آئے ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ چاہے وہ فلسطین میں ہونے والے ظلم و ستم کی داستان ہو یا پھر سانحہ آرمی پبلک سکول ہو وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں اور اور ان موضوعات پہ بھی اپنے متاثر کن اشعار میں دکھ کا اظہار کیا ہے:

یہ زندگی اک سراب کی سی کیفیتی میں مبتلا کردی ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کو جو حساس دل رکھتے ہوں۔ اور اللہ نے انہیں لکھنے کی قوت ودیعت کی ہو۔ زندگی کو سمجھتے سمجھتے وہ خود کہیں کھو جاتے ہیں۔ اہلِ شعور کی طرح ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ بھی اسی کیفیت کی شکار ہیں اور یہ ایسا تبھی ہوتا ہے جب آپ نے زندگی کو کھوجنے کی کوشش کی ہو، اسے سمجھنے کی سعی کی ہو گو یہ کہاں سمجھ آنے والی ہے۔ لیکن اہلِ علم تو اس گتھی کو سلجھانے میں ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں۔ تبھی ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کہتی ہیں

اے زندگی مجھے ترا کوئی اب سرا ملے
کہ کس نگر ملے گی تو کوئی اب پتہ ملے

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ شاعری کی منزلیں طے کرتی ہوئی محبت والفت سے اب معرفت کی طرف رواں دواں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کا یہ سفر لائق تحسین ہے اور ہم دعا گو ہیں کہ یہ سفر اسی کامیابی سے جاری رہے۔ آمین

وسیب کی خوشبو، ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

ڈاکٹر شاہینہ نجیب کھوسہ

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ سے ملیں تو رنگ نظر میں اور خوشبو ہوا میں پھیل جاتی ہے۔ نازک جذبات اور خوبصورت احساسات کو لطف انداز اور مؤثر پیرائے میں بیان کرنے والی خوبصورت شاعرہ۔ جس کو دیکھ کر پڑھ کر انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ وہ خود زیادہ خوبصورت ہے یا اس کی تحریریں!!! یقیناً دونوں ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔

نجمہ سے میری شناسائی مدتوں سے ہے یہ شناسائی دوستی میں کب بدلی اِس بارے میں مَیں خود بھی نہیں جانتی۔ بَس میں اتنا جانتی ہوں کہ نجمہ دوستوں کی وہ دوست ہے جو دوستی کی بنیاد محبت اور خیر خواہی پر رکھتی ہے۔

خوبصورت تو وہ ہے ہی مگر وہ ہمہ جہت اور ہمہ صفت شخصیت بھی ہے۔ مردوں جیسی ماں، پیشہ وارانہ قابلیت کی حامل مسیحا، دردِ دِل رکھنے والی سوشل ورکر اور بلند پایہ لکھاری۔ ڈی جی خان میں اس کیا آنچل تلے چلنے والے آنچل تنظیم، جان سرجیکل ہسپتال اور بہت سی سماجی سرگرمیاں میرے اس دعویٰ کی گواہ ہیں۔

اس کی شاعری میں جو بات مجھے مبہوت کر دیتی ہے وہ سچے اور پیارے نسوانی جذبات کی وہ روانی ہے جو مشکل اور بھاری بھرکم الفاظ سے مزین نہ ہونے کے باوجود سادگی میں بھی اتنی مؤثر ہے کہ سیدھی دِل کو چھو لیتی ہے۔ وہ ''پھول سے بچھڑی خوشبو'' کی طرح ہواؤں میں تحلیل نہیں ہوئی بلکہ ''میں آنکھیں بند رکھتی ہوں'' کے مصداق مراقبے کی مشقت جھیل کر، معرفت کے راز پا کر، خود سے اور رب سے شناسا ہو کر ایک وجدانی کیفیت میں داخل ہوگئی'' اور شام ٹھہر گئی'' دم بھر کو شام میں رُک کر وہ آگے بڑھ گئی اور ایک نئے انداز

میں ''پھول، خوشبو اور تارہ'' کی صورت ظہور پذیر ہوئی۔ مگر کہاں صاحبو! ابھی بھی وقتِ قیام نہ تھا شاید وقت سجود تھا اور وہ ''میرا صاحب سائیں عشق ہے تو'' کا جھومر ماتھے پہ سجا بیٹھی، عشق حقیقی کے اس جھومر نے اس کے اندر اور باہر کو دلہن کی طرح سجا دیا۔

مجھے خوشی ہے کہ محبتوں اور خوشبو کے سفر کی مسافر نجمہ شاہین نے ہجر و وصال کو اپنا مستقل ٹھکانہ نہیں بنایا۔ مسافر سفر میں ہی اچھا لگتا ہے۔ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ! تم بہت اچھی لگتی ہو، نظر کو خوب جچتی ہو دِل کو بھی بھلی لگتی ہو۔ یوں بھی مسافر کو جلدی منزل مِل جائے تو سفر رُک جاتا ہے۔ فن تھم جاتا ہے۔ اللہ نے جنہیں اونچی منزلوں تک پہنچایا ہوا نہیں منزلوں سے دور کر دیتا ہے یا منزل کو ان سے دور۔ اور پھر منزل کو سفر میں ہی پوشیدہ کر دیتا ہے۔ نجمہ منزل سے دور ہو کر بھی منزل آشنا ہے۔ یہ مولا کا خاص کرم ہے اس پر کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے ۔ نجمہ منزلوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئی ہے اور مکاں سے لامکاں ہو گئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو بخت آور ہو بھاگ بھری ہو نجمہ شاہین! سنگلاخ پہاڑوں کے سخت پتھروں میں کھلا ہوا نازک اور خوبصورت پھول ہو جسے دیکھ کر انسان بے ساختہ کہہ اُٹھے۔ سبحان اللہ۔

مختصر یہ کہ محسن نقوی کی طرح ڈی جی خان کی پہچان ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ میری دعا ہے کہ زندگی نجمہ کو وہ سب دے جو نجمہ چاہے یا زندگی اسے جو بھی دے وہ نجمہ کی چاہت بن جائے۔ (آمین)

پھول، تتلی، جگنو، تارہ کی شاعرہ

ڈاکٹر راشدہ قاضی

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ حسن صورت و سیرت کے اعتبار سے ایک شاندار اور باوقار خاتون ہیں۔ میں ان کی شاعری کی زیریں سطح پر محسوس ھونے والا کرب اور دکھ کی دھیمی آنچ مجھے ہمیشہ اداس کر دیتی ھے۔ قیمتیں ملبوس اور متوازن میک اپ کے ساتھ مسکراتا چہرہ مجھے کئی نا آسودہ جذبوں کا عکاس لگا۔ بظاہر بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں۔ مگر دل ھے کہ مانتا نہیں، کہ ان مہکتے پھولوں کے پیچھے کہیں ایک آنچ ھے، جو اس دلربا کو جھلسا رہی ھے۔ اور مجھے لگتا ھے، کہ ان کا درد میرے پہلو . میں دل بن کر دھڑکتا ھے۔ نجمہ کی شاعری کی حساس بچی کبھی جگنو اور کبھی تارے کی آرزو کرتی ھے۔ مگر سب سراب ثابت ھوتا ھے۔ یہ پھولوں اور تتلیوں جیسی نازک خاتون آبگینہ ذات کو بچانے کی آرزو میں اپنا نسائی غرور جب پارہ پارہ ھوتے دیکھتی ھے، تو کبھی ٹوٹے دل کی فریاد نظم بنتی ھے اور کبھی غزل، اور درد حد سے گذر جائے تو اپنے لیر کتیر جذبوں کی شیرازہ بندی کر کے اپنے سچے سائیں کو آواز دیتی ھیں۔ مگر ان کے آنگن کھلنے والے پھول کبھی حمزہ بن کر ان کو ڈھارس دیتے ہیں، اور کبھی وہ عمر کے ساتھ چلنا سیکھ لیتی ہیں۔ ان کے وجود کی کرنیں جب لوگوں کی آنکھں کو چندھیا دیتی ہیں . تو لوگ دبی دبی زبان میں اپنی نا آسودہ خواہشات کے سبب لرزتی انگلیاں دانتوں تلے دبتے ہیں۔ کہ ان کے پاس بچوں کا مضبوط حصار اور شوہر نام کی چھت ھے۔ میاں بیوی کے اس کے رشتے میں عجیب سی کشمکش ہوا کرتی ہے۔ شوہر اپنی مردانگی کی وجہ سے ذہین عورت کو بہت کم برداشت کرتا ہے۔ ایسے میں ذہین عورت کو کئی بار جینا اور کئی بار مرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ رشتہ برقرار ہے تو یقیناً اس میں بڑے سمجھوتے ھوئے ہوں گے۔ ایسے میں

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کو بے اختیار داد دینے کو دل کرتا ہے۔ کیوں نکہ انہوں نے رشتوں کا تقدس اور بھرم ہمیشہ قائم رکھا۔ زمیندار گھرانوں کی بے جوڑ شادیاں عموماً عورت کے لئے طوق بن جاتی ہیں۔ اور پھر مرد کے نام کی چھتری کا سہارا لے کر وعورت لحہ لحہ جیتی اور لحہ لحہ مرتی ہے، مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ نے کتنے سمجھوتے کئے۔ مگر ان کے پائے ثبات میں کہیں لغزش نہ آئی۔ ان کی حسین مسکراہٹ کے پیچھے نہ جانے کتنے غم دم توڑتے رہتے ہیں، اور وہ فیض کی ایک نظم کا مصرع بن جاتی ہیں۔ چلو پھر سے مسکرائیں۔۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ سے آرزو رکھتی ہوں، کہ وہ ذات کا دکھ کائنات کے دکھ کو ساتھ ملا کر فیض حاصل کرتی رہیں گی۔ وہ سچے سائیں سے لو لگا ہی چکی ہیں۔ تو دکھوں کا پروردگار یہ عہد ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور وہ یونہی پرورش لوح وقلم کرتی رہیں گے۔ اور ذات و کائنات پر جو دکھ بیت رہے ہیں۔ انہیں کاغذ اور قلم کے ساتھ دل پر رقم کرتی رہیں گی۔ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کے لیے بہت سا پیار اور باوقار زندگی کے لیے بہت سی دعائیں۔

کچھ سوچیں

نجمہ شاہین کھوسہ

سلام قول من رب رحیم

سردیوں کی ٹھٹھرتی صبحیں ہوتیں یا گرمیوں کی خوشگوار صبحیں وہ بلا ناغہ روزانہ خوش الحانی آواز سے پڑھتی رہتیں الحمد سے صراط مستقیم کا مطالبہ کرتے خود کو اور اپنے پیاروں کو آیت الکرسی کی حفاظت کے تصور میں دیکھتے جب وہ انتہائی خوبصورت اور پرسوز آواز میں **سلام قول من رب رحیم** تک پہنچتیں تو رک سی جاتیں۔ اور دنیا کا سارا درد، دکھ، خوبصورتی اپنے لہجے میں سمیٹ کر پڑھتی رہتیں۔

سلام قول من رب رحیم
سلام قول من رب رحیم

یہ انکا روزانہ کا معمول تھا کہ وہ یہ سورت پڑھتے ہوئے سات دفعہ یہ آیت دہراتیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ یہ آیت تین دفعہ پڑھتیں ۔ میرا دل ٹھہر جاتا انتظار کرتا کہ وہ سات دفعہ پڑھیں ۔ چار پانچ سال کی عمر میں ان کی تلاوت کی آواز سن کر میں رضائی سے نہ جانے کیسے سر نکالتی اور انتظار میں رہتی کہ وہ کب **سلام قول من رب رحیم** پر پہنچیں اور میں کب ان لفظوں کی خوشبو سے اپنی سماعت کو معطر کروں۔ نہ جانے ایسا کیوں تھا۔ وہ عمر جب مجھے ان لفظوں کے مفہوم کا کوئی شعور نہیں تھا، کچھ پتہ نہیں تھا نہ جانے یہ کیسا انتظار ہوتا تھا جس کے سکون کو اتنی چھوٹی عمر میں بھی میں ڈھونڈتی ۔ اگر کبھی ماں پانچ دفعہ یہ آیت پڑھتیں تو میرا دل چاہتا کہ وہ سات دفعہ پڑھیں شاید وہ سات آسمانوں والے کے در کھولنے اور اُس کی وحدانیت ومعبودیت کے آگے سر جھکائے اپنے

مسجود ہونے اور اپنی روح کی سرشاری اور سکون کیلئے سات دفعہ پڑھتیں ۔ یا ان کی اس سورت کی اس طرح تلاوت اور اس آیت کی سات دفعہ دھرانے کا کوئی اور مطلب و معانی ہوتا تھا جو مجھے نہیں پتہ تھا اور نہ ہی میں مطالبہ کر سکتی تھی کہ مطلب پوچھوں کیونکہ میں ماں کی آنکھ کے سوال سے ڈرتی تھی کہ بھلا کیوں پوچھا۔ پھر ان کی تلاوت جب اور آگے بڑھتی تو اکثر شام کے ملگجے سائے میں وہ" **فبای الا ربکما تکذبن**" پڑھتیں تو میں ایک دم کہیں بھی ہوتی رک سی جاتی، رک ہی جاتی ۔ واہ ماں کتنی خوبصورت آواز ہے تیری ۔ اتنی خوبصورت لوری اتنا خوبصورت شکریہ رب تعالیٰ کا" **فبای الا ربکما تکذبن**" (اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) بس سنتی جاتی، سنتی ہی جاتی اور دل میں اس بنیاد کی اینٹ پہ اینٹ رکھتی جاتی ۔ ایک خوبصورت عمارت بنتی جاتی جس میں چاندنی ہی چاندنی تھی ۔ کوئی میل، کوئی اندھیرا نہیں تھا۔ دکھوں کے گہرے سائے بھی اُس چاندنی کو کم نہ کر سکے جوانی دیوانی بھی کوئی ایسا میل نہ لا سکی جو ان لفظوں کی چاندنی اور شکریہ کی اس پرات میں کوئی کمی کرتا۔۔۔ نصابی کتابوں میں سر کھپانے سے پہلے لاڈلی ناجی بھی اپنی روح کو تیرے سلام " **سلام قول من رب رحیم** " سے سرشار کرتی اور اپنی صبح کو منور کرتے ہوئے شام کو " **فبای الا ربکما تکذبن**" پڑھنے کا انتظار کرتی ۔ سب دن گزر گئے کہ زندگی کب کسی ایک شام میں ٹھہرتی ہے وہ شام کہ جس کی نہ کوئی رات ہو، اور جب رات نہیں تو صبح کیسے ہو۔ مگر زندگی تو گزرنی ہے جیسے بھی گزرے آج بھی میرے ربا میں اسی مقام پہ ٹھہری ہوں،، تیری دنیا میں چاہت کا خسارہ ہی خسارہ دیکھا ہے، میل ہی میل ہے یہاں دل کے میلے لوگوں میں ۔ آج بھی روز پڑھتی ہوں **سلام قوم من رب رحیم** ۔ میرے مولا مگر سب کچھ ہوتے ہوئے، سمجھتے ہوئے کون سی ایسی گرد آتی ہے۔ کون سا ایسا اندھیرا آیا ہے جو میری آنکھوں کے سامنے آ کر میری زبان میں لکنت لا کر میرے ہونٹوں کو" **فبای الا ربکما تکذبن**" ادا کرنے سے روک دیتا،، یہ کیسی دھند ہے اور آنکھوں کی نمی ہے جو ان لفظوں تک پہنچنے اور تیرے شکریے کی سرشاری تک پہنچنے

اور" **فبای الا ربکما تکذبن**" ادا کرتے روک دیتی ہے۔ یا اللہ آپ رحمٰن و رحیم ہیں ، رحم کیجئے اپنی تخلیق پہ، معاف کر دیجئے ۔ یا اللہ لوٹا دیجئے اپنی عاشق کو وہ سارے خوبصورت لفظ کہ عشق کرنے والوں سے اظہار کی قوت نہیں چھینتے ۔ بدنصیب ناجی آج بھی اپنی ماں کی طرح سلام سے نعمت تک کے وہ سارے لفظ ادا کرنا چاہتی ہے۔ اپنے عشق میں سرشار ناجی کو اسکے لفظ لوٹا' دیجئے'۔ لوٹا دیجئے

یا رحمٰن یا رحیم

زمیں پہ اِتنے خدا ملے، تُو مرا خدا، کیوں جُدا ملے
مری ایک ہی التجا ہے بس تو کبھی نہ مجھ سے خفا ملے

حمد

ہوں عشق میں مالا مال پیا
ہر سو بس تری دھمال پیا

ہو اک پل صرف وصال پیا
میں ہجر میں ترے نڈھال پیا

ترے خیال میں گزرے سال پیا
یہ عشق نظر کا کمال پیا

جس نگری عشق کا راج ہوا
کیا ِ ''میں'' ''تو'' کا جنجال پیا

تو روگ مرا، تو جوگ مرا
میں ہو گئی تری مثال پیا

ترا حکم کہ میری راکھ اُڑے
انکار کروں، نہ مجال پیا

میں تیری رضا پر راضی ہوں
جس راہ پہ اب تو ڈال پیا

اک بار تو دیکھ، اک بار تو سن
ترے بن میرا کیا حال پیا

جوڑ وے سائیاں

دعا

ریزہ ریزہ ٹوٹ رہی ہوں اب تو مجھ کو جوڑ وے سائیاں
رنج اور غم کا یہ کاسہ اب اپنے کرم سے توڑ وے سائیاں

دامن میرا خالی خالی آنکھیں بھی ہیں مری سوالی
راہ مسلسل ہے یہ جیون منزل ول اب موڑ وے سائیاں

کوئی وظیفہ میں کب جانوں اپنا من کیا میں پہچانوں
میری منزل تیرا در ہے مت رستے میں چھوڑ وے سائیاں

الجھے لیکھ ہیں میرے سائیاں درد مجھے ہیں گھیرے سائیاں
جیتے جی میں مر ہی نہ جاؤں رحمت کو جھنجھوڑ وے سائیاں

جس نے مجھ کو ماردیا ہے یہ اجڑا سنسار دیا ہے
اس بدبختی اور اس سختی کی اب آنکھیں پھوڑ وے سائیاں

میرے اندر مرگیا کوئی درد سمندر بھرگیا کوئی
ڈوبنے والی جیون کشتی رخ ساحل ول موڑ وے سائیاں

ادھ ادھوری ذات ہے میری ،بے تاثیر سی بات ہے میری
سن شاہین کی بپتا اب تو ،مت اس کا دل توڑ وے سائیاں

آزاد قافیہ میں ایک دعائیہ حمد بارگاہ ایزدی میں

کر کملی کو پار وے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

ہجر کے پھول میں روز ہوں چنتی
دل کے زخم بھی روز ہوں گنتی
جب میں ہوں بس تیری منگتی
تیری خدائی کیوں نہیں سنتی
میرے لیکھ سنوار دے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

تن کی ڈھیری، من کی مایا
جب سے میں نے تجھے بھلایا
اپنا آپ ہے، آپ گنوایا
مجھ سے بچھڑ ا میرا سایہ
میرے من کو نکھار دے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

دکھ سے تن پر ماس نہیں ہے
اپنا سایہ پاس نہیں ہے
جیون مجھ کو راس نہیں ہے
ملن کی کوئی آس نہیں ہے
میرا روپ سنوار دے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

درد ہزار دیے لوگوں نے
جوگ دیا جیون روگوں نے
صحرا نقش کئے سوگوں نے
جی لیا ہم مرن جوگوں نے
کر دے سفینہ پار وے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

اتنے دکھوں میں کیسے جیئوں میں
چھید یہ من کے کیسے سئیوں میں
اشک یہ روح کے کیسے پیئوں میں
حکم ترا، کہ پھر بھی جیئوں میں
اجڑ گیا سنسار ہے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

چھن گئی چنری سر کی سائیاں
لٹ گئی سوہنی تھر کی سائیاں
روئے کملی گھر کی سائیاں
میں باندی ترے در کی سائیاں
اک تو ہی تو غم خوار ہے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

چپتوں کی برسات ہے مولا
خود سے ہوئی اب مات ہے مولا
اجڑی ٹوٹی ذات ہے مولا
بس تیرے کن کی بات ہے مولا
میرا روپ سنوار دے سائیاں
بس تو ہی درکار ہے سائیاں

نعت رسول مقبول ﷺ

طائف میں کربلا کے سفینے کی روشنی
ملتی ہے اِس جہاں کو مدینے کی روشنی

کھاتے تھے زخم سب کی ہدایت کے واسطے
پھیلا رہے تھے آپؐ قرینے کی روشنی

اے موجبِ اوارض وسما اب کیجیئے عطا
یا صاحبِ لولاک مدینے کی روشنی

شَق الصَدر سے ہو گئے حیران جبرائیل
پھیلی تھی کلُ جہان میں سینے کی روشنی

رمضان ہو کہ ماہ ربیع الاولی ہو بس
چاروں طرف ہے ان کے مہینے کی روشنی

اک صاحبِ کمال کا وہ حسن با کمال
مہکا رہا تھا اُن کے پسینے کی روشنی

یزداں بھی اُن پہ بھیجتا ہے رات دن درود
شمس وقمر سے بڑھ کے نگینے کی روشنی

جس وصلِ بے مثال میں طاری تھی بے خودی
بخشش میں تھی نماز خزینے کی روشنی

سرکار آپؐ کی ہی گدا ہوں ،کرم ہو بس
درکار ہے مجھے بھی خزینے کی روشنی

شاہیں نبی کے دم سے ہی مجھ کو ہوئی عطا
مرتے ہوئے وجود میں جینے کی روشنی

نعت رسول مقبول ﷺ

مرا جیون گزر جائے، مدینے کی ہی گلیوں میں
تھکن ساری اتر جائے، مدینے کی ہی گلیوں میں

بہت ہی پیاری بستی ہے یہ طیبہ کی حسیں بستی
مقدر بام پر جائے مدینے کی ہی گلیوں میں

ہے نسبت جس پرندے کی محمد کے گھرانے سے
وہ تو بے بال و پر جائے مدینے کی ہی گلیوں میں

بس ان کا نام ہی پہچان ہو میرے سخن کا اب
یہ رہرو معتبر جائے مدینے کی ہی گلیوں میں

فروزاں دل کی دنیا ہو، محبت کا چمن مہکے
مجھے لے کر سحر جائے مدینے کی ہی گلیوں میں

شہہ خوباں کی رحمت ہی برستی ہے دو عالم میں
ہر اک شمس و قمر جائے مدینے کی ہی گلیوں میں

گدائی کا لیے پھرتی ہوں اک کاسہ میں ہاتھوں میں
مری ہستی نکھر جائے مدینے کی ہی گلیوں میں

وہ نور حق ہیں، بس ان کے ہی دم سے اب تو اپنا ہیں
مری دنیا سنور جائے مدینے کی ہی گلیوں میں

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

خدا نے جہاں میں اتارے محمد
نبی آخری ہیں ہمارے محمد

دکھایا ہے رب نے تو اپنا ہی جلوہ
ہیں دونوں جہاں کے سہارے محمد

ہے خوش بخت وہ ایک جھولی کہ جس میں
مرے پیارے رب نے اتارے محمد

حلیمہ ہے نازاں نصیبوں پہ اپنے
کہ آنگن میں کھیلے دلارے محمد

تصور میں میرے ہے کعبے کی رونق
دلوں میں بسے ہیں ہمارے محمد

درودوں کو اوڑھوں، میں جاؤں مدینے
جہاں سو رہے ہیں دلارے مُحَمَّدؐ

مچلتی ہے حسرت کہ طیبہ کو دیکھوں
جہاں لائے کیا کیا نظارے محمد

وہ شق القمر کا ہوا معجزہ جب
تو کافر بھی اس دم پکارے محمد

انہیں عرش کے سب نظارے دکھا کر
بتایا کہ یہ ہیں، تمہارے محمد

پڑھیں ان کے کہنے پہ پتھر بھی کلمہ
رہ رہ پکاریں پیارے محمد

جہاں کی حقیقت، ہے ختم نبوت
جہاں سارا بس اب پکارے محمد

یہی ہے عقیدت، یہی ہے محبت
ہراک زرہ بولے ہمارے محمد

مجھے آئے آواز محشر میں شاہیں!
تری آخرت کو سنوارے محمد

ہے شاہین جو ڈوبنے کو سفینہ
لگائیں گے اس کو کنارے محمد

نعت پاک ﷺ

بس نظر میں ٹھہری ہیں جالیاں مدینے کی
لو یہی تو منزل ہے اب مرے سفینے کی

نظیر ہی نہیں ملتی اس کی دو جہانوں میں
ایسی پیاری خوشبو ہے آپ کے پسینے کی

زندگی کے سارے ہی رنگ ہیں مدینے میں
ہے وہیں پہ کنجی کائنات کے خزینے کی

انبیا میں ایسا ہے مرتبہ محمد کا
ہو مثال انگوٹھی میں جس طرح نگینے کی

جب کبھی بلاوا مجھ کو آتا ہے مدینے سے
دل میں پھر تمنا جاگ اٹھتی ہے جینے کی

میری ساری شامیں اب ان کے در پہ ہی گزریں
پھر خبر نہ مجھ کو ہو سال اور مہینے کی

مصطفیٰؐ نے دکھلائی راہ جو بھی سیدھی تھی
مصطفےٰ نے سکھلا ئی بات ہر قرینے کی

نعت پاک ﷺ

آنکھوں کو میری خزینہ دکھا دے
مرے مولا اب تو مدینہ دکھا دے

کہیں ڈوب جائے نہ کشتی بھنور میں
ہے اسمِ محمد ﷺ سفینہ دکھا دے

مجھے مار ڈالے گی دل کی اداسی
بس اب زندگی کا قرینہ دکھا دے

ہے جس سر زمیں پر وہ نور مجسم
جہانوں کا بس وہ نگینہ دکھا دے

قرآن ہی جاگیر ہے

تدبیر ہے تقدیر ہے قرآن ہی جاگیر ہے
اللہ کے فرمان کی قران ہی تصویر ہے

انجیل اورتورات بھی اس نے اتاری ہیں مگر
نقش ہے رب کا جہاں قرآن ہی تفسیر ہے

یہ دین ہے 'ایمان ہے اورعشق کا یہ مان ہے
سب درد والوں کے لئے قرآن ہی اکسیر ہے

ہر دل پہ اسکا راج ہے'یہ عشق کی معراج ہے
سوہنے نبی کے خواب کی قرآن ہی تعبیر ہے

کیوں چاندتاروں کو ابھی تک پوجتا ہے آدمی
اور کیوں بھلا بیٹھا کہ بس قرآن ہی جاگیر ہے

پیت بھی اور پریت بھی، بے چین دل کا میت بھی
اور سب دلوں میں آس کی قرآن ہی تنویر ہے

یہ جستجو ہے، کو بہ کو ,ہے چارہ گر ہی ,رو برو.
اور لم یزل کے نور سے قرآن ہی تحریر ہے

یہ ہے ہمارارہنما،اورظلمتوں میں یہ ضیاء
ابلیس سے بچنے کی بس قرآن ہی تدبیر ہے

ہے فاتحہ آغاز اور والناس پر یہ ختم ہے
ہر جنگ میں اپنے لیے قرآن ہی شمشیر ہے

درود اور دعا

ان پر درود بھیجنا احسان بھی نہیں
اپنی دعا کا اور تو سامان بھی نہیں

رب کا یہ حکم ہے تو پھر انکار کیوں کروں
ان کے بغیر میری تو پہچان بھی نہیں

یزداں بھی بھیجتا ہو جب ان پر درود پاک
اس سے بلند تر تو کوئی شان بھی نہیں

طیبہ میں اوڑھ لوں میں درودوں کی اوڑھنی
بے تاب دل کا اور تو ارمان بھی نہیں

شہرِ خموش میں بھی جگا دے جو زندگی
رنج والم کا اور تو درمان بھی نہیں

عشقِ نبی سے پائی میرے دل نے روشنی
صل علی سے آگے تو وجدان بھی نہیں

نازاں ہے دل مرا کہ ہے نسبت درود سے
ورنہ مرا یہاں کوئی سلطان بھی نہیں

رب تک رسائی کا بھی وسیلہ درود ہے
اس کے بنا رحیم تو رحمان بھی نہیں

شاہین بس زباں پر مسلسل درود ہو
بخشش کا اور تو کوئی امکان بھی نہیں

دائرہ ادب نیویارک کے زیر اہتمام درود پاک پہ مشاعرہ

سلام بحضور امام عالی مقام

کربل والوں کے دم سے ہے، ہم کو پیارا ماتم
اپنے دکھوں میں اس جیون کا، بس ہے سہارا ماتم

جہاں پہ مشکیزے پر تیر لگا تھا اک ظالم کا
کرتا ہو گا نہرِ فرات کا، اب وہ کنارہ ماتم

جب تاریکی میں بی بی زینب کے دکھ کو سوچا
ان پلکوں پر چمک اٹھا تھا، ایک ستارا ماتم

کربل کے دامن میں سیکھیں عشق کی رمزیں ساریں
نیزے پر ہے محو تلاوت، راج دلارا ماتم

عشق نے ہجر و وصل کو جب اک جیسا ہی ملبوس کیا
کیا جانے پھر کون سے دکھ کا ہے یہ اشارہ ماتم

تپتی ریت پہ وہ ننھی معصوم سسکتی جانیں
جن کے لہو سے ظلم نے ہر اک دل میں ابھارا ماتم

اپنا جیون تو شاہین بہے، بس اس دھارے میں
ایک کنارہ گریے والا، ایک کنارہ ماتم

غزلیں، نظمیں

غزل

یہ جو عشق مسلک کے لوگ ہیں، انھیں رمز سارے سکھا پیا!
یہ جنون عشق کی داستاں، انھیں حرف حرف سنا پیا!

مرے چارہ گر، میں ہوں در بدر، میں تو تھک گئی، ہے عجب سفر
مری بے نشاں سی ہیں منزلیں، مجھے راستہ بھی دکھا پیا!

نہ حدود میں، نہ قیود میں، مرا دل ترے ہی وجود میں
یہ سجود کا حسیں پیرِھن میری روح پر تو سجا پیا!

میں تو آس تھی، میں تو پیاس تھی، کسی پھول کی میں بھی باس تھی
مری پتیاں گریں جا بجا، انھیں شاخ پر تو سجا پیا!

میں فقیر ہوں، میں حقیر ہوں۔کسی خواب کی نہ اسیر ہوں
میں عزیز ہو ں تو تجھے ہی بس، سو عزیز تر ہی بنا پیا!

میں فلک سے آئی خطا مری،اسے ڈھونڈنا ہے وفا مری
یہ جفا کی جو ہیں حقیقتیں،مری آنکھ کو وہ دکھا پیا!

مرے آسماں مرے سا ئیاں،تو ہی رازداں ،تو ہی مہرباں
جہاں لا مکاں کے ہیں سلسلے، وہیں میرا گھر بھی بنا پیا!

یہ جو آرزوؤں کا دیس ہے، یہ جو خاک خاک سا بھیس ہے
جو ازل ابد کا یہ بھید ہے،اسے بھید ہی میں بتا پیا!

یہ قدم قدم پہ بشارتیں، یہ نظر نظر میں زیارتیں
یہ بصارتیں ،یہ بجھارتیں،مرے شہر دل کو دکھا پیا!

یہ جو میرے من میں ہے روشنی،یہی زندگی،یہی بندگی
مری فکر میں ترے ذکر میں جو چراغ ہیں وہ جلا پیا!

غزل

عشق کو آنکھ میں جلتے دیکھا
پھول کو آگ میں کھِلتے دیکھا

عشق کے راز نہ پوچھو صاحب
عشق کو دار پہ چڑھتے دیکھا

عشق ہے واجب،اس کو ہم نے
جسم اور جاں میں اترتے دیکھا

عشق کے دام بھی لگ جاتے ہیں
مصر میں اس کو بِکتے دیکھا

فلک بھی حیرت سے تکتا تھا
دشت میں اِس کو پلتے دیکھا

عشق انوکھا منظر جس میں
راز کو خواب میں ڈھلتے دیکھا

ہجر کا زخم تو زخم ہے ایسا
بخیہ گروں سے بھی کھلتے دیکھا

عشق وہ باغ ہے جس کو ہم نے
ہجر کی رت میں مہکتے دیکھا

اِس کو ہوس کا نام نہ دینا
لوح پہ اِس کو لکھتے دیکھا

غم کیا ہجر و وصال کا اس کو
عشق میں جس کو بھٹکتے دیکھا

غزل

آنکھوں میں لئے درد کا طوفان کھڑی ہوں
اے عشق !ترے در پہ میں حیران کھڑی ہوں

ان تیز ہواؤں میں گھِرا میرا نشیمن
خوابوں کا جہاں لے کے، میں ویران کھڑی ہوں

محشر میں مرے اشک گواہی مری دیں گے
دنیا کے خدا کا لئے احسان کھڑی ہوں

یہ زخم ہیں کیسے، جن کا اب مرہم بھی نہیں ہے
چاہت کا لئے پھر بھی میں عنوان کھڑی ہوں

اک خواب کے تاوان میں آنکھوں کو گنوایا
بے روح ہوئی ہوں، یہاں بے جان کھڑی ہوں

یہ کیسی اذیت ہے ، کبھی کم نہیں ہوتی
قربت میں لئے ہجر کا، امکان کھڑی ہوں

اپنے تھے جو ہاتھوں میں لئے رہتے تھے خنجر
اک بھول تھی ، جس کا لئے ارمان کھڑی ہوں

خود سے ہی اگر میری شناسائی نہیں ہے
میں اپنے ہی گھر کیوں بھلا مہمان کھڑی ہوں

اس نے تو کبھی لوٹ کے آنا بھی نہیں تھا
پلکوں کو بچھائے وہیں نادان کھڑی ہوں

کیا آس تھی جس نے مری دنیا ہی بدل دی
ہے راہ عجب جس پہ میں حیران کھڑی ہوں

مسافر ہوں ترے در کی ، رستہ تو دیا ہوتا
میں عشق کا لے کر ترے وجدان کھڑی ہوں

اک وصل کا پل کوئی ، عطا ہو مرے مولا
صدیوں سے لئے ہجر کا سامان کھڑی ہوں

جو راستہ ہموار تھا ۔خود چھوڑ کے آئی
اب سامنے میرے ہے یہ ڈھلوان ،کھڑی ہوں

اے چارہ گر ! دیکھ ، ترے دست ہنر سے
جھوٹے میں وفا کے لئے پیمان کھڑی ہوں

غزل

درد کا بوجھ ترے شہر سے لائے ہوئے لوگ
اب کہاں جائیں یہ زخموں کو سجائے ہوئے لوگ

ہیں اس آسیب کے ہر روپ سے انجان ابھی
یہ جو ہیں عشق حقیقت کو بھلائے ہوئے لوگ

کون کہتا ہے کہ زندہ ہیں بظاہر زندہ
روح کا بوجھ بدن میں ہی اٹھائے ہوئے لوگ

بنتے جاتے ہیں یہ تصویر گئے وقتوں کی
ہجر کے روگ کو سینے سے لگائے ہوئے لوگ

وہ جو کٹیا تھی جہاں عشق بسیرا تھا کبھی
وحشتوں کے ہیں وہاں اب تو ستایے ہوئے لوگ

ہیں یہی جن سے سلامت ہے محبت کا وجود
پھول پتھر میں وفاؤں کے کھلائے ہوئے لوگ

حال پوچھو نہ کبھی بچھڑے دلوں کا شاہیں
اپنے لاشوں کو ہیں شانوں پہ اٹھائے ہوئے لوگ

چاہت تو صدیوں روتی ہے

چاہت تو صدیوں روتی ہے
ہجر کا چولا پہن کے اکثر
وصل کے خواب لئے آنکھوں میں
تعبیروں کی اک ست رنگی
مالا روز پروتی ہے یہ
بلک بلک کر روتی ہے یہ

ہاتھ میں خالی کاسہ لے کر
موسم گل کو پت جھڑ کر کے
دشت جنوں میں بادل کر کے
اور خرد کو پاگل کر کے
ویراں ویراں بانجھ دلوں میں
وصل کے بیج بھی یہ بوتی ہے
درد سے درد کو جب دھوتی ہے
پھر خود بھی صدیوں روتی ہے

آج تلک یہ سمجھ نہ آیا
رونا ہی جب لیکھ ہے اس کا
کیوں پھر خواب پروتی ہے یہ؟
بلک بلک کر روتی ہے یہ

زمانے کو خدا کیا

نہ درد کو دوا کیا
نہ حرف کو صدا کیا
بس اپ نے تو ہم کو ہجر سے ہی آشنا کیا
لگا کے اپنے دام آپ خود کو خود سے ہی جدا کیا
جو لوگ مہربان نہ تھے
آپ ان پہ مہرباں ہوئے
جو مہربان ساعتیں تھیں ، ان سے ہی دغا کیا
دعا کو اپنے ہاتھ سے ہی یوں بددعا کیا
لے کے نام عشق کا وفا کو ہی جفا کیا
عشق رسوا ہو گیا
زمانے کو خدا کیا
حیران ہے آنکھ یہ،
کہ آپ نے یہ کیا کیا

غزل

یہ دیکھ تو کیسے کٹ رہی ہے مری حیاتی اے میرے سائیاں
تو کر دے کم اب مرا یہ غم، وہ بھی کائناتی اے میرے سائیاں

دھواں دھواں ہے یہ آنکھ میری، لہو لہو میرے پاؤں بھی ہیں
ہے شام ہجر اب تو روز ہی غم کی لو بڑھاتی اے میرے سائیاں

یہ اجلے چہرے، یہ من ہیں کالے، یہ کیسے کیسے ہیں روپ دھارے
عجیب تاریکی ان کے من میں ہے جگمگاتی اے میرے سائیاں

گلہ نہ کوئی زمیں سے اب تو، نہ ہی جہاں سے ہے کوئی شکوہ
یہ عشق تصویر بھی فریب اب ہے کیوں دکھاتی اے میرے سائیاں

ہے عشق اول، ہے عشق آخر، کہ عشق تو تیرا روپ ہے بس
کہ من میں ہے تیرے ذکر سے ضو یہ جھلملاتی اے میرے سائیاں

میں اس کو جی کے تو دیکھ بیٹھی ہوں، زندگی سے گلہ نہیں ہے
ہے میرے خوابوں کی لاش کا بوجھ یہ اٹھاتی اے میرے سائیاں

سفر یہ کیسا سفر ہے جس کی نہیں ہے کوئی خبر مجھے اب
ہے تیری تقدیر کیسے کیسے زماں دکھاتی اے میرے سائیاں

سلگ رہی ہے یہ دھیرے دھیرے، جھلس رہی ہے یہ سائے میں بھی
ہے کملی تیری ثنا کے تیرے یوں گیت گاتی اے میرے سائیاں

یہ شاہین سانسیں تو لے رہی ہے، ترے ہی کن کی ہے آس اس کو
مزار پر اپنے روز و شب ہے دیئے جلاتی اے میرے سائیاں

غزل

.. کہیں کٹیا، کہیں محلوں میں دفنائی گئی ہوں میں
یہی دکھ ہے، دکھوں سے ہی تو بہلائی گئی ہوں میں

.. مرے مولا گواہی دے، تری دنیا کی جنت میں
دکھوں کی آنچ پر ہر پل ہی سلگائی گئی ہوں میں

. کوئی سن ہی نہیں پایا چھپی آ ہیں مرے دل کی
بس ایسے سوز میں سب کو ہی سنوائی گئی ہوں میں

. جسے دیکھا وہی منصف، وہی فرعون دنیا میں
نہ جانے کس کے کہنے پر یوں جلوائی گئی ہوں میں

.وہی سسی، وہی سوہنی، وہی دریا، وہی صحرا
کہ ہر کردار میں پھر سے ہی دہرائی گئی ہوں میں

..جہاں بھر کی اداسی نے مرے دامن کو گھیرا ہے
لہو کے رنگ میں آنکھوں سے ٹپکائی گئی ہوں میں

بجھے ہیں جو چراغ اور جو شکستہ خواب ہیں میرے
انہی خوابوں کے بدلے میں تو تڑپائی گئی ہوں میں

عجب قصہ ہے چاہت کا سرابوں کا جہاں ہے یہ
فریبوں میں الجھ کر ہی تو سلجھائی گئی ہوں میں

کہیں زہریلے سانپوں نے مسلسل ہی ڈسا مجھ کو
کہیں محلوں کی دیواروں میں چنوائی گئی ہوں میں

مرے تن پر اداسی، من میں ہے اک درد کی داسی
بس ایسے ہجر کے ایندھن میں دہکائی گئی ہوں میں

مجھے تھاما تھا جنت میں مگر لا چھوڑا صحرا میں
وفا کے مان پر دنیا میں بہکائی گئی ہوں میں

میں ایسی کونج ہوں جو ڈار سے بچھڑی ہوئی ہے اب
خدایا تیری دنیا میں یوں الجھائی گئی ہوں میں

.مسلسل ڈھل رہی ہوں ضبط کے اب روپ میں شاہین
حوادث اور غموں میں ایسے جھلسائی گئی ہوں میں

غزل

زمیں ملے کہیں ہمیں، کہیں تو آسماں ملے
دکھوں کی دھوپ میں شجر کوئی تو مہرباں ملے

ترے فراق میں جیے، ترے فراق میں مرے
چلو یہ خواب ہی سہی، وصال کا گماں ملے

الم کی شام آ گئی، لو میرے نام آ گئی
چراغ لے کے راہ میں اے کاش مہرباں ملے

ابھی تلک فغاں ہوں میں، مثالِ داستاں ہوں میں
ملے تو ایک پل کبھی، کہیں تو کارواں ملے

عجیب سے وہ رنگ تھے، سبھی کے ہاتھ سنگ تھے
ہمیں تو غیر بھی سبھی، مثالِ دوستاں ملے

جبیں، جبیں نہیں رہی، تو مہ جبیں نہیں رہی
نہ لوگ وہ کہیں ملے، نہ تجھ کو آستاں ملے

غزل

تو ہی میرا مولا ہے، تو آج کہاں ہے سائیاں
کیسی دوری جب میرا دل تیرا جہاں ہے سائیاں

وہ میری تقدیر تو جانے کب سے نوحہ کناں تھی
یہ میری تصویر بھی تجھ سے نوحہ کناں ہے سائیاں

اے چارہ گر میں تجھ کو بھلا کیسے یقین دلاؤں
تجھ سے ہی منسوب یقین اور میرا گماں ہے سائیاں

جب میری تخلیق میں تیرا دست ہنر ہی ہے بس
پھر بھی میری منزل کیوں بے نام ونشاں ہے سائیاں

نور ترا جب رقصاں چاروں جانب ہجر کی شب میں
پھر بھی میری آنکھوں میں کیوں اتنا دھواں ہے سائیاں

میں اس دل کے ٹکڑے چنتی پھرتی ہوں کیوں شاہین
تیری دنیا میں تو چاہت بہت گراں ہے سائیاں

غزل

ترے ہاتھ مری پتوار پیا
من و تو کی نہیں تکرار پیا

مرا من ہے تیری مٹھی میں
اب کیسے کروں اظہار پیا؟

یہ رمز سکھائی عشق نے بس
راہوں میں نہیں دیوار پیا

کیوں آنکھ ترستی جلووں کو
جب ہر سو ترا دیدار پیا

اب خوف بھنور نا بھنوروں کا
مرے ہاتھ یقیں پتوار پیا

اس خاک بسر کی ایک دعا
چمکے سارا سنسار پیا

مجھے سارے لفظ عطا کیجئے
کرنا ہے مجھے اظہار پیا

غزل

دل مرا آج پریشان ہے آئے کوئی
ہجر پھر سے یہیں مہمان ہے آئے کوئی

آجکل قیس نہیں چاک گریباں والا
آج کل دشت بھی ویران ہے آئے کوئی

یہ جو مقتل ہے بہت دور نہیں ہے ہم سے
راستہ بھی تو یہ آسان ہے آئے کوئی

یاس کے بَن میں کہاں خواب سلامت ہوں گے
آنکھ میری بڑی حیران ہے آئے کوئی

خاک ہو جاتا ہیانسان جنوں میں اکثر
عشق کی تو یہی پہچان ہے آئے کوئی

رقص میں پھر سے یہ آشفتہ سری ہے اپنی
موج میں آج یہ وجدان ہے آئے کوئی

تیری خوشیوں کا سبب بھی تو محبت ہو گی
اور دکھوں کا بھی یہ سامان ہے آئے کوئی

ہجر کی شام جو یہ عشق حقیقی ٹھہرا
آخری،آخری ارمان ہے آئے کوئی

میری دھرتی پہ کوئی میلی نظر تو ڈالے
اس پہ یہ جان بھی قربان ہے آئے کوئی

سامنے جنگ کا میدان ہے آئے کوئی
اپنے سینوں میں تو قرآن ہے، آئے کوئی

راہ تکتی ہوں میں شاہین ازل سے اس کی
اب لبوں پر جو مری جان ہے آئے کوئی

طرحی مصرع برائے جولائی کے لئے میری کاوش

غزل

کیسے گزرے تجھ بِن رین میرے بادشاہا
تجھ کو ترسے پیاسے نین میرے بادشاہا

اَبد تلک میں بیٹھی ہوں بس آس لگائے تیری
ہے تجھ سے ہی دل کو چین میرے بادشاہا

تو جو ملا تو مہک اُٹھے گا مرے وجود کا گلشن
پھر دکھ آپ کرے گا بین میرے بادشاہا

اَدھ اَدھوری ذات کی بس تکمیل ہی تم سے ہو گی
میرے عشق کا تم ہی عَین ،میرے بادشاہا

دل کے اَندھیارے آنگن میں چمکا آج چندرما
رُک گئے میری آنکھ کے رین میرے بادشاہا

سن اب بات تو سن میں کیسے کاٹوں جیون رات
مری وفا کو مت لکھ غین میرے بادشاہا

لیکھ سے ہاری ،ہجراں ماری کو ہی دیکھ لے آ کر
در در پھرتی ہے بے چین میرے بادشاہا

غزل

پھر کارگاہِ عشق میں لایا گیا مجھے
پھر زندگی کا خواب دکھایا گیا مجھے

اک درد لادوا مرے حصے میں ڈال کر
سپنوں کے دیس سے بھی جگایا گیا مجھے

حیرت زدہ ہے آنکھ اور حیراں ہے زندگی
آئینہ خانے میں جو بلایا گیا مجھے

ہنستی ہے میری آنکھ تو روتا ہے میرادل
سوزوالم کے گیت میں گایا گیا مجھے

عشق ووفا کے ساتھ ہی اک ہجرِ ناتمام
کیسے خمیرِ غم سے بنایا گیا مجھے

تشنہ سی زندگی ہے جو دل کے فرات پر
کرب وبلا کا روپ دکھایا گیا مجھے

جس میں دہک رہا تھا الاؤ ضمیر کا
ایسی فصیلِ جاں میں جلایا گیا مجھے

اب حوصلہ نہیں ہے کہ میں کرچیاں چنوں
اک بھربھری زمیں میں چھپایا گیا مجھے

اذنِ سفر ملا تھا یوں شب کی سفیر کو
جگنو میں ماہتاب دکھایا گیا مجھے

ہونے لگے ہیں آس کے سارے چراغ گل
شاہین تیرگی میں بسایا گیا مجھے

غزل

تیرے سلوک سے نیا چہرہ ملا مجھے
تیرا بچھڑ کہ ملنا بھی اچھا لگا مُجھے

جس کا خیال اوڑھ کہ قائم تھی زندگی
اس کے فراق سے لگا جھٹکا بڑا مجھے

بار وفور غم ہے، ستم، خوف اور میں
اس گردشِ زماں نے نہ کیا کیا دیا مجھے

عہد کہن کے لوگ نجانے کہاں گئے
جن کے خیال سے ملا ہے حوصلہ مجھے

انبوہ رائیگاں میں میرے روزوشب کٹے
شب کو خزاں کا چاند بھی دھندلا لگا مُجھے

کرتی میں کس کے نام اثاثہ خلوص کا
قسمت نے دشت ہجراں کا تحفہ دیا مجھے

تنہائی سرد رت کی مجھے اجنبی لگی
موسم کی سختیوں سے ہے گویا گلہ مجھے

اوقات اپنی بھول نہ شاہیں تو اس قدر
دشت سفر یہ کہہ رہا ہے برملا مجھے

پیاری ہستی باباجان کے نام

سالگرہ یکم اپریل ۱۹۵۰

دنیا کا سہارا نہ محبت کا سہارا
مجھ کو ہے مرے بابا کی شفقت کا سہارا

ہر ایک دلاسہ ہے دکھاوے کا یہاں پر
بابا کی محبت ہے حقیقت کا سہارا

:ڈرخوف زمانے کا نکل جاتا ہے دل سے
سوچوں جو کبھی انکی حفاظت کا سہارا

ہے ان کے بنا یہ مرا جیون بھی ادھورا
درکار ہے بس ان کی شباہت کا سہارا

ہر موڑ پہ رستہ وہی دکھلاتے ہیں مجھ کو
ہر موڑ پہ بابا کی قیادت کا سہارا

جیون نے سکھایا، نہ زمانے سے ملا کچھ
اس فن میں ملا ان کی فراست کا سہارا

ماں باپ کی صورت میں ترا روپ ملا ہے
قائم رہے مولا یہ رفاقت کا سہارا

میں دھوپ میں رہ کربھی جھلستی نہیں شاہین
موجود ہے بس ان کی رفاقت کا سہارا

میرے شاہزادے محمد عمر، محمد حمزہ کیلئے

اے مرے رب تو مجھے بخش ستارے میرے
پھول آنگن کے مرے راج دلارے میرے

یہ مرے چاند، یہ سورج، یہی دنیا میری
عمر، حمزہ سے مکمل یہ شمارے میرے

ان کی خوشبو سے مہکتی ہے مرے دل کی دنیا
ان کی باتوں نے شب وروز نکھارے میرے

یہ اٹھے ہاتھ مرے ان کی گواہی دیں گے
تری آذان پہ لپکے یہ دلارے میرے

میری بینائی ہیں ان کو تو سلامت رکھنا
شکر تیر اکہ مقدریوں سنوارے میرے

اب مری شان، مری آن ہے ان کے دم سے
میری آنکھوں کی ہیں ٹھنڈک یہ دلارے میرے

غزل

تو نہیں تو جانِ جاں پھر یہ جہاں کچھ بھی نہیں
جز ترے رنگینیء کون و مکاں کچھ بھی نہیں

منتظر کوئی نہیں اب جل بجھے ہیں راستے
مجھ کو مت بہلاؤ تم اب تو وہاں کچھ بھی نہیں

اب نہیں وہ منتظر مجھ کو یہی تو ہے یقیں
ہے یقیں کا ہی یقیں، وہم و گماں کچھ بھی نہیں

کس طرف ہیں خال وخد اور کس طرف ہیں خواب سب
ہر طرف اب ہے دھواں مجھ پر عیاں کچھ بھی نہیں

ہم بھٹکتے پھر رہے ہیں رہنما کے ساتھ ہی
در بدر ہیں سب اگر تو کارواں کچھ بھی نہیں

جس میں شاہیں ذکر میرے خال و خد کا ہی نہیں
رد ہے ساری داستاں وہ داستاں کچھ بھی نہیں

غزل

عیاں ہی نہیں اب، نہاں اور بھی ہیں
دکھ آنکھوں میں نوحہ کناں اور بھی ہیں

یہاں لوگ تو بے اماں اور بھی ہیں
کہ حیرت زدہ کچھ جہاں اور بھی ہیں

نیا ایک سورج ملے گا ہمیں اب
کہ رستے میں تو کچھ زماں اور بھی ہیں

نہیں ہے فقط ایک یوسف یہاں پر
کہ بازار میں جسم و جاں اور بھی ہیں

نہیں ہجر ہی عشق کو ایک لاحق
کہ رستے میں کوہ گراں اور بھی ہیں

میں تنہا تو لکنت زدہ اب نہیں ہوں
کہ اس بھیڑ میں بے زباں اور بھی ہیں

تم ان آنسوؤں کو چھلکنے نہ دینا
کہ در پیش ابر رواں اور بھی ہیں

جو ڈھونڈے گا اس کو ملیں گے نہیں ہم
کہ اب ہم پہ دکھ مہرباں اور بھی ہیں

ہیں منصور کتنے صلیبوں پہ دیکھو
کہ دل والے نوک سناں اور بھی ہیں

نہیں تجھ کو فرصت اے دل ان دکھوں سے
کہ خوشیوں بھرے آستاں اور بھی ہیں

اے دل بات سن لے، مری بات سن لے
یقیناً تجھے کچھ گماں اور بھی ہیں

تو شاہین بکھری نہیں ٹوٹ کر گر
تو مطلب ہے کچھ امتحاں اور بھی ہیں

غزل

حوصلوں کی بات ہے ریگِ رواں کچھ بھی نہیں
ہو جلو میں عزم تو کوہِ گراں کچھ بھی نہیں

در بدر ہوں، بے خبر ہوں ، چارہ گر کو کیا خبر
وحشتیں۔میرا مقدر ، کارواں کچھ بھی نہیں

بے رنگ و بوُ سا ہے جہاں اور خالی خالی آسماں
بن ترے اے جانِ جاں حسن و بیاں کچھ بھی نہیں

وہ بچھڑ کر کب ملا اور میں بکھر کر کب کھِلی
روح کو اب تو فصیلِ جسم و جاں کچھ بھی نہیں

تشنگی ہے چار سو اور دشت میرے روبرو
گرد آنکھوں کو یہ بحر بے کراں کچھ بھی نہیں

یہ چمن صحرا کی صورت، زندگی ہے تیز دھوپ
آنکھ جھرنا، کہکشاں ، یا سائباں کچھ بھی نہیں

عکس تیرا سرسری سا بھیڑ میں جو مل گیا
جھوٹ لگتی ہے مجھے ، وہ داستاں کچھ بھی نہیں

غزل

اے زندگی مجھے ترا کوئی تو اب سرا ملے
کہ کس نگر ملے گی تو،کوئی تو اب پتہ ملے

کسی کی یاد نے ہمیں تو خود سے دور کر دیا
بس اپنے آپ سے ہمیں کوئی تو اب جدا ملے

نہ جن کی ہچکیوں کو کو ئی شانہ آج تک ملا
انہی کے آنسوؤں کوبھی کوئی تو اب جگہ ملے

بس اپنے بام ودر سے ہم نا آشنا رہے سدا
کوئی تو راہبر ملے،کوئی تو اب خدا ملے

جو تھک گئے ہیں در بدر وفا تری تلاش میں
زمیں کی گود میں انھیں کوئی تو اب جگہ ملے

کوئی جنوں سے جا کہے، مجھے نہ اب تلاش کر
کہ آگہی کے دشت میں کوئی تو اب صدا ملے

اجڑ چکیں جو بستیاں، بسیں گی کس طرح بھلا
وفا کے در سے بس ہمیں، کوئی تو اب دوا ملے

ہیں ایک جیسے عکس اور ایک سی سرشت بس
ہجوم ہے، ہجوم میں کوئی تو اب جدا ملے

زمیں پہ اتنے خدا ملے، تو مرا خدا کیوں جدا ملے
مری ایک ہی التجا ہے بس، تو کبھی نہ مجھ سے خفا ملے

غزل

جس کے ساتھ ہوا تھا دھوکہ ساون میں
جھول رہی ہے اب بھی جھولا ساون میں

ایسے دیکھ رہا تھی اس کی جانب وہ
جیسے رہ جائے کوئی پیاسا ساون میں

میری آنکھیں بھی پھر ٹوٹ کے برس پڑیں
جتنا میں نے اس کو سوچا ساون میں

کون کرے اب بوجھل اپنی پلکوں کو
کون کرے اب کسی سے وعدہ ساون میں

جو شاہین اب اس کو بھول چکا ہو گا
یاد آتا ہے بس وہ رستہ ساون میں

غزل

یوں ہنستے ہنستے ہمیں رلا کر جو لامکاں تم چلے گئے ہو
بچھڑنے والے ہمیں بتاؤ کیوں اس جہاں تم چلے گئے ہو

تمہاری چھاؤں کے جو تھے عادی وہ پھول کیسے کھلیں گے آخر
اب ان کا سایہ بھی لے کے اور کر کے بے اماں تم چلے گئے ہو

ازل جدائی کا ایک تحفہ، ہوا ہے اس دل کا اب مقدر
اجل کی نامہربانیاں ہیں، جو مہرباں، تم چلے گئے ہو

تمہارے بن یہ طویل شب اب کٹے گی کیسے؟ بتاؤ ہم کو
بجھا کے ہر دیپ کر کے آنکھوں میں دھواں، تم چلے گئے ہو

سنورنا سجنا اور آئینے میں یوں خود کو تکنا ترے لئے تھا
بہار رخصت ہوئی اور آنگن میں ہے خزاں تم چلے گئے ہو

یہ روز وشب اب الجھ گئے ہیں ہے ایک جانب دکھوں کی نگری
میں چاند ڈھونڈوں تو مجھ سے کہتا ہے آسماں، تم چلے گئے ہو

دعائیں ساری، وفائیں ساری تمہارے ہی نام کر چکے ہم
سنیں گے اب کس سے ہم محبت کی داستاں، تم چلے گئے ہو

اللہ ہم شرمندہ ہیں

(کرونا کا عذاب)

تیرے در پہ آج یہ گریہ کناں ہے زندگی
میرے مولا اب تو بس محو فغاں ہے زندگی

زمین رو رہی ہے اپنی بے بسی پہ آج کل
کہ دیر اور حرم میں بھی اب فغاں ہے زندگی

اک ردائے خوف میں لپٹے ھوئے ھیں سب مکاں
مکیں سہم کے پوچھتے ہیں تو کہاں ہے زندگی

تو اپنے دل پہ ہاتھ رکھ اور اے بشر مجھ کو بتا
کہ اب سجود میں تجھے یہ کیوں گراں ہے زندگی

خدائے لم یزل کی رحمتوں سے مت ہو بد گماں
یقیں کی آنکھ سے پرے تو بس گماں ہے زندگی

اپنے شعلوں میں ہی جل کے راکھ ہونے لگ گئی
اپنے ہی ردعمل سے اب دھواں ہے زندگی

کل تلک جو رقص فرما تھی لہو کی تال پر
رنجشوں کے قہر میں اب نوحہ خواں ہے زندگی

ہے آنکھ رت یہ ہجر کی، لبوں پہ تشنگی بہت
جو خاک کا بدن ہے اس میں تُو کہاں ہے زندگی

کب تلک روئیں گے

آہ فلسطین!

المدد، المدد، یا خدا یا خدا
ننھے بچوں کی لاشیں ہیں ادھڑی ہوئی

بے ردا مائیں سڑکوں پہ روتی ہوئی
ہر طرف خاک ہے، ہر طرف خون ہے

ہر طرف سسکیاں، ہر طرف ہچکیاں
دربدر، دربدر لوگ پھرتے ہوئے

ہر طرف کچھ مکاں بھی ہیں جلتے ہوئے
انبیاء کی زمیں پھر لہو رنگ ہے

زندگی تنگ ہے، جنگ ہی جنگ ہے
المدد، المدد، یا خدا یا خدا

سن ہماری دعا، ہم کو بس یہ بتا
یہ جو مائیں ہیں، بہنیں ہیں، بچے ہیں جو

کب تلک ظلم کا بوجھ یہ ڈھوئیں گے
اے خدا یہ بھلا کب تلک روئیں گے

زمانے! کیا لکھے گا تو اپنی تاریخ میں

(نثری نظم)

زمانے! گواہ رہنا، گواہ رہنا
کیسے کر رہا ہے شیطان اپنی ہوس کی تسکین
دیوارِ گریہ پہ روتے ہوئے ابلیس کے یہ امین
سالہا سال سے اجل کا کھیل کھیلتے ہوئے
لہولہو کر رہے ہیں انبیا کی سرزمین
زمانے گواہ رہنا

زمانے کیا لکھ پائے گا تو؟
کیسے مائیں بچوں کے سر بریدہ بدن کو دیکھتی ہیں؟
کیسے لٹی عصمتیں زخموں سے چور تن کو ڈھانپتی ہیں؟
کیسے مقتل کی جانب مسکرا کے بڑھتی یہ نڈر بیٹیاں؟
اس عہدِ ستم کے علم کو اٹھائے کسی منصف کا سوچتی ہیں

زمانے تو نے سوچا ہے کبھی؟
کیوں سجدوں میں یہ گردنیں پڑی ہوئی ہیں؟
وقت کے ناخداؤں پہ آنکھیں گڑی ہوئی ہیں؟
شعلوں میں لپٹی یہ معصوم ننھی جانیں؟
کیوں اب تلک یروشلم کے سنگ کھڑی ہوئی ہیں؟

زمانے تو جانتا ہی ناں؟
اپنے گھر' اپنی زمین سے کٹ جانے کا دکھ؟
لشکرِ غم کی ہواؤں میں بٹ جانے کا دکھ؟
دربدری اور جلاوطنی کی اذیت ہوتی ہے کیا؟
پرندوں کا غول سے چھٹ جانے کا دکھ؟

زمانے تو دیکھ پائے گا کیا؟
انبیا کی سرزمیں پہ سجے اتنے ننھے کفن؟
سرخ آزادی کی قیمت میں چور چور سے بدن؟
خوف سے لرزیدہ یہ راہیں یہ گلیاں، چمن؟
کیسے تار تار ہیں جواں جسموں کے بانکپن؟

سن زمانے، اب مری بات سن
اس رات کی آخر سحر بھی تو ہوگی
خدائے لم یزل کو اس کی خبر بھی تو ہوگی
تیرے حاکم یہ دستک اب سنیں' نہ سنیں
شنوائی مگر روز حشر بھی تو ہوگی

روبرو ہوگا اس دن تیرے اوراق پر
کھلتے پھول ملائے ہیں تو نے خاک پر
روئے گا اس دن اپنے اسلاف کی راکھ پر
زمانے کیا لکھے گا تو اپنی تاریخ میں اسباق پر

غزل

کہاں پہ رہنا تھا مجھ کو،مگر کہاں پہ رہی
مرا جہان ہی کب ہے یہ، میں جہاں پہ رہی

بجھے تھے درد کے جو بھی دیئے تھے آنکھوں میں
جہاں پہ درد کا ڈیرہ تھا ،میں وہاں پہ رہی

جو شور مجھ میں بپا تھا وہ ختم ہو نہ سکا
کہیں یقین کو کھویا ،کہیں گماں پہ رہی

نہ اس میں دوش تھا میرا ،نہ اس زمانے کا
حیات موت کی خواہش میں خود سناں پہ رہی

ہزار پردوں میں اس نے چھپا کے بھیجا جسے
وہ خود نمائی کی خواہش میں خود دکاں پہ رہی

کہاں تھا میرا ٹھکانہ سمجھ نہ آیا مجھے
میں لامکان سے گزری تو کس مکاں پہ رہی

میں چپ تھی جب تو کوئی تذکرہ نہیں تھا کہیں
لیا جو نام ترا پھر تو ہر زباں پہ رہی

غزل

زندگی میں زندگی دکھ بھر گئی
روشنی آنکھوں کی مدھم کر گئی

اتنا سناٹا تھا میری روح میں
میں تو اپنے آپ سے بھی ڈر گئی

میرے عارض جس سے دمکے تھے کبھی
ایک دن وہ آرزو بھی مر گئی

ہر طرف اک پیاس کا صحرا تھا بس
جس طرف بھی میری چشمِ تر گئی

اپنی قسمت سے گلہ مجھ کو نہیں
اسکی قسمت بھی تو بس مجھ پر گئی

غزل

ترے لب پہ ایک جو ہے، وہ سوال معذرت ہے
مجھے تجھ سے زندگی اب تو کمال معذرت ہے

یہ کمال معذرت ہے، اے غزال معذرت ہے
کون اس طرح سے کاٹے مہ وسال معذرت ہے

یہ صدائیں تیری بے کل، انہیں کون اب سنے گا
ہمیں عشق آئے تیرا جو خیال معذرت ہے

اک شام میں سفر ہو، یہاں روز اک صدی کا
کرے ہجر روز ہم کو جو نڈھال معذرت ہے

یہ تڑپنا اور سسکنا، یہ بلکنا اور بھٹکنا
ہے یہ زندگی دکھوں کا ہی تو جال معذرت ہے

تجھے زندگی میں ہم نے دل و جان سے ہے پوجا
کبھی پھر سے ہوں مراسم وہ بحال معذرت ہے

وہ جو ان کہی سنی تھی مرے دل نے یاد ہے سب
وہ جو عشق کا سفر تھا، کیوں ملال معذرت ہے

رہے ایک ہی تصور، رہے ایک ہی وہ پیکر
کبھی خواب کو پھر آئے جو زوال معذرت ہے

رکھے کون تجھ سے نسبت، کرے کون اب یہ خواہش
کہ نہ آیا راس شاہیں یہ وصال معذرت ہے

غزل

آنکھوں میں پھر سے خواب ہوں، دلدار معذرت
سرکار معذرت، مرے سرکار، معذرت

برسوں سے جن کی یاد میں برسی ہے میری آنکھ
سوچوں میں ہوں وہی درو دیوار، معذرت

جذبات آ گئے ہیں غموں کی صلیب پر
تجدید عشق؟ اور مرا اظہار، معذرت

مدت سے میرا دستِ دعا تو بلند ہے
سب خواہشیں ہو ں کیسے ثمر بار، معذرت

جینے کو تیرے ہجر کا سامان ہے بہت
کیوں کر بسائیں پھر نیا سنسار، معذرت

بستی بہت ہی دور ہے میری اناؤں کی
ڈھونڈوں میں تیرے شہر کے پندار، معذرت

دوچار گام ساتھ نہ چل پاؤ گے مرے
شاہیں یہ راستہ تو ہے دشوار، معذرت

غزل

ہر ایک خواب میں حرف و بیاں میں رہتا ہے
وہ ایک شخص جو دل کے مکاں میں رہتا ہے

نہ دن نکلتا ہے اُس کا ،نہ شام ہوتی ہے
اب اِس طرح سے بھی کوئی جہاں میں رہتا ہے

یقین ہے کہ وہ مجھ پر یقین رکھتا ہے
گمان ہے تو وہ اب تک گماں میں رہتا ہے

میں اس طرح سے ہوں آزاد اپنی دنیا میں
کہ جیسے کوئی پرند آشیاں میں رہتا ہے

رکھا ہوا ہے حفاظت کے ساتھ اسے دل میں
میں بے امان ہوں ، وہ تو اماں میں رہتا ہے

محبت ہار جاتی ہے

محبت ہار جاتی ہے
بہت جذبے سے اٹھتی ہے
بے کراں جزبوں کے ریشم کو بنتی ہے
معجزے دکھلاتی ہے
وفاؤں کے پہ مان پر، تخت وتاج ٹھکراتی ہے
دلوں پہ راج کرتی ہے، خود پہ بہت اتراتی ہے
لڑتی ہے زمانے سے
اور اپنا ہی خوں بہاتی ہے
چیختی چلاتی ہے، خود کو یوں منواتی ہے

پہاڑ ہو یا دریا ہو، بحر ہو یا صحرا ہو
ملکوں اور دنیا میں، خوشبو یہ پھیلاتی ہے
فضاؤں کو مہکاتی ہے
زندگی کی موجوں کے بے کنار سمندر میں
دھوپ ہو یا چھاؤں ہو، دکھ اور سکھ میں بھی
یہ عمریں بتاتی ہے
جفا کے گھپ اندھیروں میں جگنو بن جاتی ہے
وفا کے دیپ جلاتی ہے
سوہنی کے روپ میں
کچے گھڑے کے اعتبار پر
تند و تیز لہروں میں خود کو یہ بہاتی ہے
سسی کے روپ میں تھل میں رل جاتی ہے
قیس کے روپ میں عشق بن جاتی ہے
اور بن کے ہیر پھر یہ خود کو ہی دفناتی ہے
دعاؤں کے یقین پر۔۔۔ بڑی آن بان سے
نمرود کی آگ میں۔۔۔ خود کو یہ جلاتی ہے
تخیل کی دنیا میں۔۔ محبوب کی تصویر میں
انمول سے جذبوں کے رنگ بھر لاتی ہے
:اپنے ہی لہو سے یہ مقتلیں سجاتی ہے

شہنائی کی گونج میں محبوب کے گیتوں کے
سر تال ملاتی ہے
قربان خود کو کرتی ہے
زندہ اپنے آپ کو دیوار میں چنواتی ہے
اک مثال بنتی ہے، انارکلی کہلاتی ہے
سنسان سی راہوں پر بے خوف چلتی ہے
ہجر کے رستے پر رقص کناں رہتی ہے
خود سے بھی الجھتی ہے
تن من کو زخماتی ہے
کونج کی طرح پھر درد سے کرلاتی ہے
:مگر قسم اللہ کی بدنصیب محبت ہے
سکوں کی جھنکار میں
کبھی بدنما کردار میں
جفاؤں کے انبار میں
اپنا ساجن دیکھے تو
صدموں کی جاگیر کو اپنے پاس پاتی ہے
اپنی بے بسی پہ یہ خود سے ہی شرماتی ہے
اور پھر ایک دن اپنی ہی قبر کی یہ مجاور بن جاتی ہے
محبت ہار جاتی ہے

گیت

کہاں جا کے روئیں، یہ کس کو سنائیں
جو تو نے دیئے غم، کسے ہم بتائیں

خدا بھی جو کہتا بچھڑ نے کا ہم کو
تو کعبے سے جا کے تجھے ڈھونڈ لاتے
زمانہ بھی ہم کو جدائی جو دیتا
قسم ہے زماں کی، زماں کو رلاتے
مگر کیا کریں ہم کہ تو نے ستایا
دکھا کے خوشی، ہم کو تو نے رلایا

تو خوابوں کو اپنے کہاں جا سلائیں
جو تو نے دیئے غم، کسے ہم بتائیں

کہ تیرے لئے ہی جہاں ہم نے چھوڑا
مگر تو نے ہی جان منہ ہم سے موڑا
وہ دل سے جو رشتہ تھا کل تو نے جوڑا
جو اپنے ہی ہاتھوں لکھا تھا وہ چھوڑ ا
جو تو نے ہی دل کا دیا ہے بجھایا
تو کس کو کہیں ہم پھر اپنا پرایا

خزاؤں کو اوڑھے ہیں ساری فضائیں
جو تو نے دیئے غم، وہ کس کو بتائیں

جو سانسوں پہ میری یہ حق ہے تمھارا
مرے آسماں کا تو تم ہو ستارا
ثمرقند شہزادی، ملکہ بخارا
تھا کتنے ہی ناموں سے مجھ کو پکارا
گئے پھر کہاں سب وہ الفاظ تیرے
کہ بدلے ہیں کیونکر یہ انداز تیرے

یہ لفظوں کی اب گونجتی ہیں صدائیں
جو تو نے دیئے غم، کسے ہم بتائیں

اُسے عید مبارک کہتی ہوں

آج بھی برسوں بعد مرے
کانوں میں صدا تیری آئے
مَیں چاند ہوں جاناں، چاند ہوں مَیں
سُن چاند ہوں تیری عید کا مَیں
پیغام ہوں ایک نوید کا مَیں
رنگوں سے سجی، خوشبو میں بسی
ہر دید کا اک انعام ہوں مَیں
پیغام ہوں مَیں
وہ جو تیری صدا کا لمحہ تھا

مری ساکن روح میں اُتر گیا
اُس لمحے نے کیسے ہم کو شاداب کیا، نایاب کیا
دل کی بنجر جو مٹی تھی اس کو کیسے سیراب کیا
ہر خار کو پھول کیا اس نے، ہر ذرے کو مہتاب کیا
وہی لمحہ میری حیات بنا
وجہِ تکمیلِ ذات بنا
اسی اک لمحے میں آج تلک

مری روح کہیں پر اٹک گئی
پھر اک لمحہ وہ بھی آیا
جب میرا چاند ہی ماند ہوا
کوئی دید رہی، نہ ہی عید رہی
نہ ہی خوشیوں کی امید رہی
پھر عید نہ اتری آنگن میں
اک لمحہ ایسے محیط ہوا
میں اپنی ذات میں سمٹ گئی
اور خوشیوں کی ہر اک رُت پھر
مرے دروازے سے پلٹ گئی
لیکن جب عید کا دن آئے

وہی لمحہ لوٹ کے آتا ہے
وہی لہجہ لوٹ کے آتا ہے
وہی چاند نظر میں سماتا ہے

کس حال میں اب وہ رہتا ہے
کس حال میں اب میں رہتی ہوں
اُسی دھارے میں بس بہتی ہوں
اُسے عید مبارک کہتی ہوں
اُسے عید مبارک کہتی ہوں

وہ ہلالِ عید کو دیکھ کر بھی اداس ہے

اسے یاد ہے کسی عید پر
کہیں چاہتوں کی نوید پر
کوئی کہہ گیا تھا اُسے کبھی
کہ میں چاند ہوں تری عید کا
مرے بن منانا نہ عید تُو
کہ میں آؤں گا ترے پاس جب
کسی ایک وصل کے سال میں
کسی خواب میں کہ خیال میں
کبھی جس گھڑی مری دید ہو

میرا صاحب، سائیں، عشق ہے تو
وہی ایک پل تری عید ہو
وہی ایک لمحہ نوید ہو

اُسے یاد ہے وہ جو ایک لمحہ تھا عید کا
وہی ایک لمحہ نوید کا، کسی دید کا
وہی لمحہ اس کا حصار ہے
وہی لمحہ اب تک ادھار ہے
وہ ہلالِ عید کو دیکھ کر جو اداس ہے
اسے بس ملن کی ہی آس ہے
اُسے اب کسی سے گلہ نہیں
وہ جو ایک لمحہ ادھار تھا وہ ملا نہیں

مگر اس کو اب بھی یقین ہے
کہ جو چاند ہے کسی بام پر
وہ ملے گا اک دن اسے کہیں
کسی موڑ پر، کسی گام پر
وہ جو کہہ گیا تھا اسے کبھی
کہ میں چاند ہوں تری عید کا

قطعہ

اجڑے ہوں سنسار تو پھر تہوار منائیں کیسے
خزاں رتوں میں آنکھوں کو گلزار دکھائیں کیسے

اپنے چھوٹ چکے ہوں جن کے، ساجن روٹھ چکے ہوں جن کے
خود سوچو ہاتھوں پر مہندی اب وہ لگائیں کیسے

خوابوں کی لاش پر

یہ تڑپتا اور سسکتا دل
آخر کب تک روئے گا
قیامت آ چکی اب تو
اندیشوں کے صحرا میں
محبت کو بھٹکنا ہے
ندامت کی سولی پر
عشق کو لٹکنا ہے
خوابوں کی راکھ پر
اب درد کو سلگنا ہے
مکاں سے لامکاں تک
روح نے سسکنا ہے
خوابوں کی راکھ پر

مجھ سے اچھی تو یہ گھڑی ہے

جو سکوتِ شب میں
اپنی تنہائی کا احساس دلاتی رہتی ہے
اپنی ٹک ٹک سے
اپنے ہونے کا احساس جتاتی رہتی ہے
اور
میں خوشیوں کے تمام بند دریچوں سے پرے
اس تنہا اداس کمرے کے بیچ
کئی آرزوؤں، تمناؤں اور وعدوں کی
گٹھڑی کا بوجھ اپنے ذہن و دل میں سجائے
کبھی چائے کی چسکی لیتے لیتے اپنے درد
اپنی پلکوں پہ چنتی ہوں اور
کبھی اپنے بستر کی سلوٹوں کو مسلتی ہوں
اور کبھی تھکی آنکھوں سے سامنے کی دیوار کو تکتے تکتے خود ہی دیوار بنتی ہوں
مجھ سے اچھی تو یہ گھڑی ہے

غزل

خواہشیں رکھیں اپنی، ہجر کی ہتھیلی پر
جیسے مان رکھتی ہے سہیلی اک سہیلی پر

دل کے ٹکڑے چنتی ہوں اپنی زخمی پوروں سے
جب سے عشق بدلا ہے، یقیں سے اک پہیلی پر

روگ، سوگ، اشک، ہجر، دل کا خون پیتے ہیں
اداسیوں کے ڈیرے ہیں، روح کی حویلی پر

جس کے ساتھ وعدہ تھا، وہ تو گم ہوا کب سے
اور وفا کا بوجھ اب جان اس اکیلی پر

صرف اس سہاگن پر روپ ہی نہیں اترا
ساتھ ظلم اترا ہے اب اسی نویلی پر

غزل

اے مکین دل تجھے، اب نئے خواب ہوں مبارک
ہے گناہ عشق میرا، یہ ثواب ہوں مبارک

ترے آئینے میں روشن سا چراغ تھی سو مجھ کو
کوئی دھند ہو مبارک، یہ عذاب ہوں مبارک

نہ ہی چوڑیاں نہ مہندی، نہ ہی پھول اور نہ گجرے
مرے تن کو دکھ کے سارے یہ شباب ہوں مبارک

مری آنکھ دشت میں، جو ہے یہ ہجر آن بیٹھا
مرے گرد سے سفر کو، گرداب ہوں مبارک

نہیں اب مقدروں سے گلہ، کوئی مجھ کو صاحب
مجھے شب سیاہ ، تجھکو مہتاب ہوں مبارک

ہجر اور درد، اذیت تنہائی اور آنسو
بے تاب دل یہ تجھ کو، احباب ہوں مبارک

نہ سمیٹ پائے شاہیں ،کوئی دل کی کرچیوں کو
مرے ماتمی سفر کو یہ رباب ہوں مبارک

غزل

چاہتوں کے تخت پر ہم کو بٹھایا ،شکریہ
اور بٹھا کر پھر نظر سے بھی گرایا ،شکریہ

تھا بڑا ہی شوق جس کو قربتوں کا کل تلک
راستہ بھی ہجر کا اس نے دکھایا، شکریہ

ڈھونڈتا تھا عکس اپنا میرے خال وخد میں جو
آج مٹی میں مجھے اس نے ملایا شکریہ

روشنی کہہ کر دھوئیں میں مجھ کو اس نے گم کیا
دل لگی ، دل کی لگی کو ہی بنایا ،شکریہ

میری اک مسکان پر قربان ہوتا تھا کبھی
پھر اسی سنگ دل نے ہی مجھ کو رلایا، شکریہ

سامنے دریا کی صورت میں ہے جو صحرا قبول
زندگی جو رنگ بھی تو نے دکھایا، شکریہ

اک تمہاری ہی وفا پر مان تھا شاہین کو
سنگ سب سے پہلے تم نے ہی اٹھایا، شکریہ

غزل

پڑھا جو نہیں تھا، دکھایا ہے تو نے
عجب ایک قصہ سنایا ہے تو نے

تجھے ہم مسیحا سمجھتے رہے تھے
مگر آ سماں سے گرایا ہے تو نے

تجھے مشکلوں سے میسر ہوئے ہم
سہولت سے صاحب گنوایا ہے تو نے

اگر زعم تھا تجھ کو اپنے کہے پر
تو کیوں اپنا وعدہ بھلایا ہے تو نے

اس زر کی طلب میں اپنے ہی ہاتھوں
تھا دل گھر خدا کا، جلایا ہے تونے

بس اتنا بتا دو ملے گی کہاں پر
کہ جس زندگی کا بتایا ہے تو نے

کہ حیرت ہی رقصاں ہے پتلی میں میری
گھروندہ جب اپنا جلایا ہے تونے

ترے دل کی بستی کی میں ہی مکیں تھی
حقیقت تھی لیکن، بھلایا ہے تو نے

مرے دل کی بستی کے تم تھے مسافر
فسانہ جسے اب بتایا ہے تونے

خو شی میں تو بڑھ کے مرا ہاتھ تھاما
دکھوں میں مگر کیوں بھلایا ہے تونے

تجھے زندگی آج میں بھی سناؤں
فسوں کا جو نغمہ سنایا ہے تونے

ٹھکانہ مرا توکہیں بھی نہیں اب
کہ شاہیں کو ایسے مٹایا ہے تونے

میں دے دوں گا جاں تیری خوشیوں کی خاطر
یہ کہہ کے مجھے کیوں رُلایا ہے تو نے

خدا سے تو مایوس شاہیں نہیں ہے
میرے بال و پر کو جلایا ہے تونے

غزل

شام غم میں عجب دل کشی ہوگئی
میری تنہائی سے دوستی ہوگئی

دل کی دنیا اجاڑی کسی نے تو پھر
میری سب سے عداوت نئ ہوگئی

ہم نے اپنے ارادے بھی بدلے سبھی
جس گھڑی وقت کی بے رخی ہوگئی

نام لکھنا جو ان کی خوشی تھی کبھی
اب مٹانا بھی ان کی خوشی ہوگئی

میرے گھر میں اندھیرے ہیں تو کیا ہوا
ان کے گھر میں تو اب روشنی ہوگئی

روشنی جب نہ سورج سے بھی ہوسکی
دیکھ تو کس قدر دلکشی ہوگئی

غزل

تیرگی میں بسی شاعری درد ہے
میں نے دیکھی ہے جو زندگی درد ہے

چاند لگتا ہے زخموں سے خود چور ہے
اس لئے تو یہاں چاندنی درد ہے

جن کی آنکھیں اندھیروں کی عادی ہوں
ان کے جیون میں خود روشنی درد ہے

جو بھی بس میں تھا، اپنے وہ بس میں نہیں
اصل میں تو یہی بے بسی درد ہے

تیری دنیا سے شکوہ ہے مجھ کو یہی
تیری دنیا میں بس آگہی درد ہے

لوگ خوشیاں طلب کر رہے ہیں سبھی
اور یہ شاہین بس، مانگتی درد ہے

غزل

ہر اک خوشی تیرے لیے
یہ زندگی تیرے لئے

ہستی مری بستی تیری
بستی میری تیرے لئے

گلشن بیابانوں کے پھول
رت پھول سی تیرے لئے

میرا مقدر تیرگی
وہ چاندی تیرے لئے

محفل کی ہر ناگفتنی
ہر ان کہی تیرے لئے

آئے ہیں تیرے شہر میں
ہم اجنبی تیرے لئے

ہر اک تمنا مضطرب
دم آخری تیرے لئے

میرے قلم کی نوک پر
حرف جلی تیرے لئے

شاہین کرتا ہے کوئی
اب شاعری تیرے لئے

گلشن ضوفشاں

وطن کے لئے

وطن کی مٹی کہاں گیا وہ وقار تیرا کہاں گیا ہے بھلا سویرا
ترے مقدر کو کیوں اندھیروں نے آج گھیرا

کہ مانگتی ہے زمین پھر سے خراج کوئی
ترے لیے اپنے گھر سے نکلے پھر آج کوئی

کہ خون معصوم سے فضاؤں میں سوگ ٹھہرا
ہر ایک گل سے کسی نے پھر سے ہے حسن نوچا

مری دعا ہے کہ کوئی مخلص ملے تجھے پاسبان بن کر
کرے کوئی تجھ پہ سایہ یوں آسمان بن کر

خدا کے فضل وکرم پہ میرا یقین محکم
مجھے یقیں ہے یہاں پہ ہوگا وہ عمل پیہم

وقار تیرا جو کھو گیا تھا بحال ہوگا
جو آج تک بھی نہیں ہوا وہ کمال ہوگا

ایک شعر

زمیں پہ اتنے خدا ملے، تو مرا خدا کیوں جدا ملے
مری ایک ہی التجا ہے بس، تو کبھی نہ مجھ سے خفا ملے

پاک ترک دوستی

یہ چاندنی ، یہ دلکشی ، یہ پاک ترک دوستی
ہے روشنی ہی روشنی ، یہ پاک ترک دوستی

رُتیں ہوں گرم سرد یا نشیب اور فراز ہوں
ہے ساتھ ساتھ چل رہی یہ پاک ترک دوستی

ہے اس کا تذکرہ ہر اک نصاب میں، کتاب میں
اب اک مثال بن چکی ، یہ پاک ترک دوستی

ہیں شمس مولتان میں تو قونیہ میں روم ہیں
ہے اس طرح جڑی ہوئی یہ پاک ترک دوستی

یہ خوشبوؤں بھرا جہاں ازل سے ہے ابد تلک
اور اس جہاں میں دائمی یہ پاک ترک دوستی

محبتوں، رفاقتوں، ثقافتوں کی ہے امیں
رواں دواں سی شاعری یہ پاک ترک دوستی

عوام ہوں، خواص ہوں، کہ شاعر اور ادیب ہوں
ہے سب کے دل میں جاگتی یہ پاک ترک دوستی

مری خدا سے یہ دعا ، محبتیں رہیں سدا
ہے مسلم امہ کی خوشی یہ پاک ترک دوستی

ہمارا عزم ۔۔

وومن ویلفیئر کلب کیلئے لکھی گئی نظم

۱۹۔۱۲۔۰۹

مرے گواہو!
گواہ رہنا:
مری گواہی نہیں چلے گی
چلی تو آدھی چلے گی لیکن
کبھی یہ ساری نہیں چلے گی
تمہیں میں پھر بھی بتا رہی ہوں او سیاہ کارو
اے کاروکاری کے ٹھیکیدارو!
تمھارا سکہ تو چل رہا ہے
سیاہ کاری نہیں چلے گی
یہاں تمہاری نہیں چلے گی
ہمارا یہ عزم ہے یہاں پر
ہم اپنی دنیا بنا رہی ہیں
ہم اپنے حصے کی ساری خوشیوں کو ساتھ لیکر

میرا صاحب، سائیں، عشق ہے تو
تمہیں بھی چلنا سکھا رہی ہیں
بتا رہی ہیں کہ ہم جو حوا کی بیٹیاں ہیں
اپنے ذمے کی ساری شمعیں بھی
آج خود ہی جلا رہی ہیں

ہر اک کو اب یہ بتا رہی ہیں
ہم اپنی دھرتی کا اعتبار اور وقار بھی ہیں
ہم اس چمن کا سنگھار بھی ہیں!
ہمیں جو آدھا شمار کرتے ہو
آج ہم یہ بتا رہی ہیں
کہ ہم تو معمار ہیں وطن کی
کہ ہم تو خوشبو ہیں اس چمن کی

محبتوں کا پیام لے کر چلیں گی اور پھر
وطن کو تعمیر بھی کریں گی
نسلِ نَو کو تنویر بھی کریں گی
ہمیں جو زنجیر ڈالتے ہیں
ہم ان کو زنجیر بھی کریں گی

اجنبی مسافر کے نام

اجنبی سی راہوں کے
اجنبی مسافر تم
اجنبی سی راہوں کے
اجنبی مسافر ہم
جانے کتنی صدیوں سے
زندگی کے رستے پر
اور اس سفر میں تم
ایک پل کو رکتے ہو
اجنبی سی راہوں کی

اجنبی مسافت میں
درد کی صداؤں کو
ایک ساز دیتے ہو
سرپھری ہواؤں کو
دل کے اس دریچے میں
وصلِ جاں کے لمحوں کا
ایک راز دیتے ہو
بے جواز لمحوں کو
کیوں جواز دیتے ہو؟

رستہ مجھے دکھا دے

اے زندگی میں تجھ سے
بس اتنا پوچھتی ہوں
منزل کہاں ہے میری؟ کچھ تو مجھے بتا دے
بھٹکی ہوئی مسافر، رستہ مجھے دکھا دے
صبحِ ازل کہاں ہے؟
شامِ ابد کہاں ہے؟
موت و حیات کیا ہے؟
یہ کائنات کیا ہے؟
جسموں کی موت کیسی؟
روحِ حیات کیا ہے؟

میرا وجود کیا؟
اور میری ذات کیا ہے؟
سورج کی ہر کرن میں کیوں جستجو سجن کی؟
ہر پھول ہر کلی میں کیوں آرزو ملن کی؟
صبحِ وصال کیا ہے؟
شامِ فراق کیا ہے؟
میں گلشنِ وفا کی، بچھڑی ہوئی کلی ہوں
کرنیں مرا تبسم، شبنم ہیں میرے آنسو
روؤں کہ مسکراؤں؟
کیسے یہ بھید پاؤں؟
گر ہو سکے تو مجھ کو
اے زندگی بتا دے
بھٹکی ہوئی مسافر
رستہ مجھے دکھا دے

غزل

جس کو پانے میں بھی اس زمانے کو پورا زمانہ لگا
اس کو کھونے میں چند واہموں کا ہی اک تازیانہ لگا

سوکھی لاشیں وفا کی ملی تھیں جو صحرا میں ہم کو کبھی
آج لگتا ہے چاہت کو اپنا وہیں پر ٹھکانہ لگا

روز لیتی ہے وہ سسکیاں اپنی کٹیا میں جیسے اسے
ہر خوشی خواب اور زندگی کا سفر جارحانہ لگا

اپنا سایہ بھی ایسے جدا ہی ملا راستے میں ہمیں
درد کا ساتھ میں ہاتھ اپنے بہت سا خزانہ لگا

شام ہم پہ جو اتری تو پھر اسکی آنکھوں میں دیکھا کہ بس
ایک ویرانہ ایسا سجا روپ تیرا فسانہ لگا

غزل

رشتوں کی آنچ پر جو سلگاتی ہے زندگی
راہوں کے پیچ وخم میں الجھاتی ہے زندگی

اک شمع آس کی جو جلاتے ہیں بزم میں
پھر بن کے ہوا تیز بجھاتی ہے زندگی

اک درد سے یہ دل سنبھلتا نہیں ابھی
پھرزخم نیا ایک تھماتی ہے زندگی

وحشت سی بس گئی ہے اس دل کے مکان میں
ہنسنے لگوں کبھی تو رلاتی ہے زندگی

اے کاش یہاں کاش کا ہوتا ہی نا وجود
کیوں غم کا ذائقہ یہ چکھاتی ہے زندگی

اب تو ہر ایک سمت سے آتی ہے یہ صدا
شکستہ دلوں کو کیسے تھکاتی ہے زندگی

سہلا رہی ہوں میں اسے کتنے ہی ضبط سے
اس روح کی تھکن تو بڑھاتی ہے زندگی

اک انتظار وہ بھی لاحاصل سا انتظار
بجھتے چراغ کیوں کر جلاتی ہے زندگی

میرے بغیر تیرا گزارا نہیں کہیں
تیرے یہ لفظ یاددلاتی ہے زندگی

بخت بھی اب تو روٹھ گیا

بخت بھی اب تو روٹھ گیا
یہ میرے بخت کو کس تخت کا حکم ہوا تھا صادر

کہ مجھ سے روٹھ گیا عکس وہ جو پیارا تھا
جو عکس دل میں مرے روز جھلملاتا تھا

جو عکس مجھ کو کبھی اپنی سمت لاتا تھا
جو عکس تیرگی کو روشنی بناتا تھا

پھر ایک دن وہ ایسے کرچی کرچی ٹوٹ گیا
زمانہ روٹھتا تھا بخت بھی تو روٹھ گیا

غزل

تری بزم میں وفا کے میں دیے جلا کے آئی
ترے در پہ اے محبت خود کو لٹا کے آئی

جو دیے ہیں زخم تو نے وہ رہیں یونہی سلامت
کہ ردائے خوف من میں، میں تو سجا کے آئی

تو بھلا دے شوق سے پر یہی بات یاد رکھنا
تجھے رمز عشق کی تو یہاں میں سکھا کے آئی

نہ ہو اشریک غم جب مرا کوئی بھی یہاں پر
وہ جو میرا سایہ تھا وہ میں تو خود مٹا کے آئی

مرے دل کے ساتھ تو اب یہ جبیں کرے ہے سجدہ
کہ ندامتوں کے آنسو میں تو خود سجا کے آئی

یہی مان لے محبت تجھے مان جو دیا ہے
کہ یہاں سے اب تو بس میں خود کو منا کے آئی

یہاں کوئی تو نبھائے یہ وفا کی ریت ایسے
کہ غموں کی دھوپ میں بس خود کو جلا کے آئی

یہ کھلاوہ تھا مسافر انجان راستوں کا
جس کے لیے حنا میں شاہیں رچا کے آئی

غزل

مکاں میں ہیں، یا لامکاں میں چھپے ہیں
مرے خواب اب کس جہاں میں چھپے ہیں

یہ جیون امانت ہے میرے خدا کی
تو کیوں خوف وہم و گماں میں چھپے ہیں

اسے پڑھ کے دیکھو، تو پھر جان پاؤ
جو دکھ میری اس داستاں میں چھپے ہیں

یہ چانداور جگنو، ستارے یہ موتی
یہ بس دل کے ہی آستاں میں چھپے ہیں

ہیں جتنے بھی پیکر خوشی اورغم کے
ہمارے ہی حسن بیاں میں چھپے ہیں

یہ دنیا تماشہ ہے بس چار دن کا
کہ طوفاں بہت بادباں میں چھپے ہیں

بھلا کیسے مہکے گی اس دل کی دنیا
کہ اندیشے کون و مکا ں میں چھپے ہیں

بھروسہ ہے بس ریت کااک گھروندا
یقیں بھی اسی آ سماں میں چھپے ہیں

لٹے جب تو پھر بھید ہم پر کھلا یہ
لٹیرے اسی کارواں میں چھپے ہیں

سہارے ہیں جتنے مری زندگی کے
مری ماں کے اشک نہاں میں چھپے ہیں

ہے خوف اتنا شاہین کچھ بھی نہ پوچھو
پرندے سبھی آشیاں میں چھپے ہیں

غزل

دیکھ تو اجڑے خال وخد میں یہ تصویراب تھکنے لگی ہے
رانجھے کی رہ تکتے تکتے کملی ہیراب تھکنے لگی ہے

کسی کی قربت کا جوفسوں ہے دعا کرو یہ رہے سلامت
ہجر کی آگ میں جلتے جلتے عشق تو قیراب تھکنے لگی ہے

در در ٹھوکر کھا کر ہم کو کہیں امان تو ملی نہیں ہے
زخموں پر مرہم رکھ کر یہ جان ا خیر اب تھکنے لگی ہے

یہ تو بتاؤ، غم کی شب کا کیا کوئی انجام بھی ہوگا
ماتم، گریہ سنتے سنتے یہ زنجیر اب تھکنے لگی ہے

رختِ سفر کے بوجھ سے دیکھو ایک مسافر ہانپ گیا ہے
غم کی لذت چکھتے چکھتے ہر تدبیر اب تھکنے لگی ہے

عشق فسانے میں تو اس کا کہیں پر نام نہیں آیا ہے
وفا کی مالا جپتے جپتے ایک سفیر اب تھکنے لگی ہے

سچے جذبوں کی جو اثاث ہے اور میراث وفا کی ہے جو
آنکھ میں خاکہ بنتے بنتے وہ تنویر اب تھکنے لگی ہے

اک ہمراز کی جھلک سلامت میری ہر اک بات میں شاہیں
غم کے نوحے لکھتے لکھتے ہر تحریر اب تھکنے لگی ہے

غزل

یہ جو کام رہ گئے ہیں انہیں رکھ کے جا رہی ہوں
مری زندگی میں تجھ سے بہت تھک کے جا رہی ہوں

یہی درد کے بسیرے، یہی ہجر کے اندھیرے
یہ جو سسکیاں ہیں ساری، میں تھپک کے جا رہی ہوں

فقط ایک سانس مہلت، مگر امتحان اتنے
یہ جو تلخیاں تھیں تیری، انھیں چکھ کے جا رہی ہوں

مری پیاس کا مقدر تو یہ تشنگی ہی ٹھہری
غمِ عشق کی تھی چھاگل، میں چھلک کے جا رہی ہوں

جہاں اُس نے مڑ کے دیکھا، وہیں زندگی رکی تھی
یہ جو حیرتیں ہیں دل کی، میں جھٹک کے جا رہی ہوں

تری خوشبوؤں سے مہکیں مرے خواب کے جزیرے
یہی آرزو تھی لیکن میں تھپک کے جا رہی ہوں

ترے لمس سے شناسا نہیں انگلیاں یہ میری
ترے ہجر کی زمیں پر میں سسک کے جا رہی ہوں

مری زندگی تُو کہہ دے کبھی جا کے چارہ گر سے
کہ یہ خواب کا ہے مدفن میں بلک کے جا رہی ہوں

کسی آگ میں جلی تُو، کسی شام میں ڈھلی میں
نہیں روح تو بدن میں، سو ٹھٹھک کے جا رہی ہوں

شاعرہ کا تعارف

نام۔۔۔ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

ایم بی بی ایس ڈاکٹر، گائناکالوجسٹ،، شاعرہ، ادیبہ، سوشل ورکر

تاریخ پیدائش۔۔۔۵ دسمبر ۱۹۷۳

ایم بی۔بی۔ایس۔۔نشتر میڈیکل کالج ملتان

1۔ایڈمنسٹریٹر اینڈ گائناکالوجسٹ آف۔۔۔جان سرجیکل ہسپتال۔ بلاک 48 کنگن روڈ ڈیرہ غازی خان پنجاب۔۔

2۔نائب صدر۔۔پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن ڈیرہ غازی خان....

3۔صدر ادبی وسوشل تنظیم۔۔آنچل

4۔چیئرپرسن جنوبی پنجاب خواتین ونگ۔۔۔بین الاقوامی وبین المذاہب ذہنی ہم آہنگی تنظیم

5۔ممبر سکروٹنی کمیٹی اکیڈمی ادبیات اسلام آباد

6۔ممبر آرگنائیزر کمیٹی اکیڈمی آف لیٹر ملتان

7۔ممبر نارکوٹکس کمیٹی ڈیرہ غازی خان

8۔ممبر بورڈ آف مینجمنٹ ووکیشنل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ ڈیرہ غازی خان

9۔ایگزیکٹو ممبر آف المنظور آئی ٹرسٹ ڈیرہ غازی خان

10۔ممبر آف کامرس ٹریننگ انسٹیٹیوٹ ڈیرہ غازی خان

11۔ممبر آف انسٹی ٹیوشنل سکالرشپ ایوارڈ کمیٹی آف غازی یونیورسٹی ڈیرہ غازی خان پنجاب پاکستان

12۔ممبر آف بورڈ آف گورنر جم خانہ کلب ڈیرہ غازی خان پنجاب پاکستان۔

13۔ممبر آف بورڈ آف گورنرز پنجاب آرٹس کونسل۔

14۔چیئر پرسن آف ایڈوائزی کمیٹی ماڈل چلڈرن ہوم ڈیپارٹمنٹ ڈیرہ غازی خان ممبر آف بورڈ آف گورنر جم خانہ کلب ڈیرہ غازی خان پنجاب پاکستان

(a)۔

1۔شخصیت اور شاعری پر ایم فل کا تھیسز فیڈرل یونیورسٹی اسلام آباد سے ہو چکا ہے

2۔اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ایم اے کا تھیسز ہو چکا ہے

3۔زکریا یونیورسٹی ملتان سے ایم اے کا تھیسز ہو چکا ہے

4۔نواز شریف یونیورسٹی ملتان سے ایم اے کا تھیسز ہو چکا ہے

5۔غازی خان یونیورسٹی ڈیرہ غازی خان سے ماریہ امبر نے ایم اے کا تھیسز کیا ہے

6۔غازی خان یونیورسٹی ڈیرہ غازی خان سے مریم نے ایم اے کا تھیسز کیا ہے

7۔فیصل آباد یونیورسٹی سے ایم فل اور ایم اے کے تھیسز ہو رہے ہیں..

8۔مصر میں الازہر یونیورسٹی میں تیسرے شعری مجموعہ،،اور شام ٹھہر گئی،، کا مکمل ترجمہ کیا گیا ہے

9۔مصر میں چوتھے شعری مجموعہ،، پھول خوشبو اور تارہ پر ایم فل کا تھیسز جاری ہے

10۔انڈیا میں زیر نگرانی پروفیسر ڈاکٹر خواجہ اکرام لکھنؤ یونیورسٹی محترمہ شاہدہ پروین فن اور شخصیت پر پی ایچ ڈی کا تھیسز کر رہی ہیں۔

11۔غازی خان یونیورسٹی ڈیرہ غازی خان سے پرنیم اصغر نے بی ایس کا تھیسز کیا ہے۔

12۔ان کے کلام پر دو میوزک البم بھی بن چکے ہیں۔جن میں سے ایک علی میوزک

پروڈکشن والوں نے پاکستان اور ہائی ٹیک کمپنی یو کے نے لندن میں ریلیز کی ہے۔

جس میں نامور گلوکاروں انور رفیع، حنا نصراللہ، صائمہ جہاں اور شانی انور نے پرفارم کیا..اس کے علاوہ نامور گلوکاروں نے پاکستان اور انڈیا میں انکے کلام کو گایا جن میں ساجد حسن، شمیم خالق، نے پرفارم کیا۔